اہلِ بیتؑ

آیۂ تطہیر کی روشنی میں

علامہ محمد مہدی الآصفی

دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

مركز الثقافة الإسلامية
١٤٠٣هـ
بپاكستان

0 6
ACC No. 4090 Date
Section C B32 Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

سلسلۂ چہاردہ معصومین

٢-١٤-٣

090

اہلِ بیتؑ

آیۂ تطہیر کی روشنی میں

علامہ محمد مہدی الآصفی

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲ - بے - ۵/۴ ــــ ناظم آباد ــــ نمبر ۲ ــــ کراچی

نام کتاب ———— اہل بیتؑ آیۂ تطہیر کی روشنی میں

تالیف ———— علامہ محمد مہدی الآصفی

ترجمہ ———— حجۃ الاسلام مولانا روشن علی نجفی

تصحیح و تہذیب ———— سید سعید حیدر زیدی

کتابت ———— سید جعفر صادق

ناشر ———— دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

تعاون ———— سازمان تبلیغات اسلامی ایران

طبع اوّل ———— محرم ۱۴۱۳ھ جون ۱۹۹۳ء

تعداد ———— ۲۰۰۰

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

4090

فہرست

- تمہید ــــــــــــــــــــــــــــــــ ۹
- سنتِ نبویؐ ــــــــــــــــــــــــــــــــ ۱۱

سنتِ نبویؐ کے بارے میں تین اہم سوالات ــــــــــــــ ۱۲

(۱) سنتِ نبویؐ کے راستے میں مشکلات ــــــــــــــ ۱۴

الف: ضبطِ احادیث کا اہتمام نہ کرنا ــــــــــــــ ۱۴

ب: سنتِ رسولؐ کی تدوین سے گریز کرنا تھا ــــــــ ۲۰

ج: جعلی حدیثیں اور انھیں وضع کرنے والے ــــــ ۳۱

(۲) مسلمان کس طرح حکمِ شرعی تک پہنچے ــــــــــــ ۳۶

(۳) کیا اسلام نے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے
سنتِ نبویؐ تک پہنچنے کا کوئی راستہ کھولا ہے؟ ــــ ۴۱

اہل بیتؑ کی امامت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۴
(۱) حدیثِ ثقلین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵
(۲) حدیثِ سفینہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۱
(۳) حدیثِ مدینہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۲
(۴) دوسری حدیثیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۸
حضرت علیؑ کو امامت کے لیے تیار کرنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۱
رسولؐ کے بعد تبلیغِ احکام کا جاری رہنا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۹
آیتِ اکمال ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۰
اہل بیتؑ کی عصمت اور ان کا عدمِ اجتہاد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۲
آیتِ تطہیر ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۵
اِنَّمَا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۶
امام رازی کی توجیہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۷۷
يُرِيْدُ اللّٰهُ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۰
ارادۂ خدا کا پورا نہ ہونا محال ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۳
کیا عصمت کا لازمہ جبر ہے؟ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۸۴
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹۰
اَهْلَ الْبَيْتِ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹۳
مخالف روایات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۹۹
(۱) عکرمہ و مقاتل کی روایت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۱
(۲) ابن عباسؓ کی روایت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۹
(۳) واثلہ بن الاسقع کی روایت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۱۲

(۴) حضرت ام سلمہؓ کی روایت	۱۳۰
(۵) ابن حجر الہیثمی کی روایت	۱۳۲
لغت وحدیث میں آل و اہل کا استعمال	۱۳۴
آیتِ تطہیر کا سیاق وسباق	۱۲۸
یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا	۱۳۵
● بحث کے نتائج	۱۳۷
جھوٹ سے برأت	۱۳۷
(۱) رسولِ خدا کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت وامامت	۱۳۸
اہل بیتؑ کی روایات سے حضرت علیؑ کی خلافت	۱۴۰
(۲) امامت کا ہمیشہ اہل بیتؑ میں رہنا	۱۴۵
حضرت علیؑ کے بعد اہل بیتؑ میں خلافت کا جاری رہنا	۱۴۶
حدیثِ رسولؐ میں بارہ۱۲ خلیفہ	۱۵۰
(۳) احادیثِ اہل بیتؑ کا حجت ہونا	۱۵۳
● مذہب اہل بیتؑ کی چند خصوصیات	۱۵۴
(۱) حضراتِ اہل بیتؑ صادق اور منزہ عن الکذب ہیں	۱۵۴
(۲) اہل بیتؑ صرف رسولِ خدا کی حدیث بیان کرتے ہیں	۱۵۵
(۳) اجتہاد سے پہلے نص	۱۶۱
اس بات پر دو اصل وجوہری امر مترتب ہیں	۱۶۲
(۴) اہل بیت رسولِ خدا سے کیسے سیراب ہوئے	۱۶۳
ائمہ اہل بیتؑ کتاب الجامعہ کے وارث ہوتے ہیں	۱۷۲
(۵) شیعوں کی نسبت اہل بیتؑ کی طرف	۱۷۸

- کتب صحاح و مسانید و تفاسیر میں آیت تطہیر ——— ۱۸۶
- قصہ کی ابتدا۔ جب رسولِ خدا نے نزولِ رحمت کو ملاحظہ فرمایا ۱۸۶
- چادر کی قسم ——— ۱۸۸
- اہلِ بیتؑ کی چادر کے نیچے بیٹھنے کی کیفیت ——— ۱۸۹
- اہلِ بیتؑ کے اجتماع کی جگہ ——— ۱۹۰
- نزولِ آیت کے وقت کون لوگ گھر میں تھے؟ ——— ۱۹۳
- نزولِ آیت کے وقت اہلِ بیتؑ کس حالت میں تھے؟ ۱۹۳
- آیت کے لفظوں کی تشریح ——— ۱۹۴
- روایات کی رُو سے آیت کی تفسیر ——— ۱۹۷
- نزولِ آیت کے بعد رسولؐ نے جو کیا ——— ۱۹۹
- جن حضرات نے آیتِ تطہیر سے فضیلتِ اہلِ بیتؑ پر استدلال فرمایا ہے ——— ۲۰۲
- پہلی روایتوں کا خلاصہ ——— ۲۱۲
- بحث کے مصادر ——— ۲۱۶
- مؤلفین و مؤلفات ——— ۲۲۱

مقدمۂ مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیتِ تطہیر ـــــ اسلامی فکر اور اس کی ثقافت کے بے شمار مسائل کے ادراک کی کنجی ہے۔

آیتِ تطہیر ـــــ ہی کے ذریعہ حضرت رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد اصول و فروع میں اسلامی افکار کو مشخص و معین کیا جا سکتا ہے۔

آیتِ تطہیر ـــــ کی اہمیت اور اسلام کے اس اہم ترین مسئلہ کی حساسیت اور اس آیت مبارکہ نے جو اس کی وضاحت کی ہے اس کے پیش نظر ارادہ ہے کہ صرف اسی آیۂ مبارکہ کے بارے میں اسی آیت کی روشنی میں حتی الامکان اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحث کروں۔

پروردگارِ عالم سے اس بارے میں ہدایت کا طالب ہوں اور اس کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ میری اس کوشش کو اس اہم فریضہ کی تکمیل میں مفید و نفع بخش قرار دے۔

محمد مہدی الآصفی

پیش کش

- میں اپنے اس ناچیز ترجمہ کو اپنے والد مرحوم کی تسکین رُوح کے لیے اس باپ کی پاکیزہ روح کے لیے جس کے سایۂ عاطفت سے محروم رہا۔
- اس ماں کے لیے جس نے اپنی پوری زندگی میرے لیے وقف کر دی۔
- اس بھائی کے لیے جس نے باپ کی طرح میری پرورش کی۔

بارگاہ ائمہ معصومین علیہم السلام میں ہدیہ کرتا ہوں۔

ان الھدیۃ بقدر مھدیھا

روشن علی نجفی

تمہید

خدا و رسول و قیامت پر ایمان لانے کے بعد ایک مسلمان کی نظر میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون سا سمندر ہے جس سے دینِ خدا اپنے اصول و فروع میں سیراب ہوتا ہے؟

کیونکہ پروردگارِ عالم نے اپنے بندوں کو اپنے احکام کی پابندی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور حلال و حرام کی تفصیل جاننے کے لیے کچھ قواعد و قوانین بنائے ہیں اور دنیا کے اندر کوئی بھی ایسی شے نہیں ہے جس کو خدا نے واجب یا حرام یا مکروہ یا مستحب یا مباح قرار نہ دیا ہو۔

اور ہر مسلمان لازماً عبادات و معاملات بلکہ تمام دینی چیزوں (مثلاً اخلاق و عقائد وغیرہ) پر عمل کرنے کے لیے کسی ایسے مدرک و مصدر کا محتاج ہے جس کے بارے میں اس کو اطمینان و بھروسہ ہو کہ یہ حکمِ خدا کی طرف منسوب ہے۔ کوئی بھی شرعی حکم اس وقت تک شرعی نہیں ہو سکتا جب تک وہ مصادرِ شریعت میں کسی

ایسے معتمد اور موثق مصدر کی طرف منسوب نہ ہو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لیے معین کیا ہو۔ اس لیے احکامِ الٰہی کے مصادر کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اور یہی سب سے عظیم اور اہم مسئلہ ہے۔

بلکہ فقہ ہو یا عقائد ان میں مذاہب و آرار کے اختلاف کے بنیادی اسباب میں سے ان مصادر کا اختلاف ہے جن کو علمار نے دینِ خدا کی معرفت کے لیے اپنا ملجاد ماویٰ بنا رکھا ہے۔

اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ مسئلہ توحید و مسئلہ رسالتؐ کے بعد مسلمان کے لیے سب سے اہم شریعت کے مصادر سے شناسائی ہے۔ انسان جو کام بھی دین کے نام پر کرے گا اور جس حکم کو بھی دینِ خدا کی طرف منسوب کرے گا۔ اس کی ذمہ داری اس پر ہوگی اور اس کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا اور اس کا اس سے حساب لیا جائے گا کہ کس اطمینان ویقین کی بنا پر تم نے اس حکم یا عمل کے مصدر و مدرک کو خدا کی طرف منسوب کیا ہے؟

شریعت کے مصادر کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہم چاہتے ہیں کہ اس بات میں غور وخوض کریں کہ رسولِ خدا کی وفات کے بعد شریعت کے مصادر کیا ہیں؟

سُنّتِ نبویؐ

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کے یہاں احکامِ الٰہی کا پہلا مدرک و مصدر قرآن مجید ہے۔ اس کے بعد دوسرا مصدر سنّتِ نبویؐ ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سنّتِ نبویؐ سے مراد آنحضرتؐ کا قول، فعل اور تقریر ہے[1]۔

جن چیزوں کو قرآن نے اجمالی طور پر بیان کیا ہے یا جو چیزیں قرآن میں متشابہ ہیں یا جو احکام قرآن میں نہیں بیان کیے گئے ان سب کی تشریح و تفصیل سنت میں ہوتی ہے۔

ایک زمانہ مسلمانوں پر ایسا بھی گزرا ہے جب سنّتِ رسولؐ کو تشریع احکام کا مصدر شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر اس نظریہ کے قدیم ہونے کے باوجود اس کو

---

[1] تقریر کا مطلب یہ ہے کہ نبیؐ کے سامنے کوئی عمل انجام دیا جائے اور رسولؐ اس پر نہ ٹوکیں تو عمل صحیح ہے اسی کو تقریر کہتے ہیں (مترجم)

دوام حاصل نہیں ہو سکا۔ حالانکہ اس کے بعض ریشے آج تک پائے جاتے ہیں مگر اس نظریہ کو دوام و قبولیت عام حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ مسلمان برابر تشریع کے بنیادی مصدر اور قرآن فہمی کے سلسلے میں سنّتِ نبویؐ پر اعتماد کرتے ہوئے عمل کرتے رہے۔

ہم سرِ دست اس نظریہ کو پیش کرنے اور اس میں بحث کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کا ہمیشہ سے شیوہ یہ رہا ہے کہ وہ سنّتِ نبویؐ پر عمل کرتے رہے ہیں اور اسلام کے حقیقی بنیادی مصدر کے عنوان سے اس پر بھروسہ کرتے رہے ہیں۔

سنّتِ نبویؐ کے بارے میں تین اہم سوالات

سنّتِ نبویؐ کے سلسلہ میں اس مسئلہ میں گفتگو کرنا شاید ایک بے کار اور فضول بات ہو کہ مسلمانوں کے لیے سنّتِ نبویؐ تک پہنچنے کی راہ میں دشوار گزار گھاٹیاں در پیش تھیں جن کی بنا پر احادیثِ رسولؐ تک پہنچنا بہت مشکل بات تھی بلکہ بہت سی ایسی مشکلات موجود تھیں جن کی بنا پر مسلمان نہ تو حدیثِ رسولؐ کو حاصل کر سکتے تھے اور نہ ہی اپنے اصول و احکامِ دین میں اس پر عمل کر سکتے تھے اور نہ گہرائی کے ساتھ اس کے اجمال و تفصیل پر عمل کر سکتے تھے۔ کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے اس لیے اس کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اور شاید یہی گھاٹیاں وہ مشکلات تھیں جن سے علمائے مسلمین کا سابقہ پڑا اور فقہ، عقائد، اخلاق، تفسیر وغیرہ میں اسلامی ثقافت اس سے متاثر ہو کر رہی۔ اگر مسلمانوں کے لیے رسولِ خداؐ کی احادیث تک رسائی ممکن ہوتی تو اصول و فروع میں مسلمانوں کے اندر نہ یہ اختلافات پائے جاتے اور نہ مسلمان اتنے مذاہب میں تقسیم ہوتے اور نہ ہی اسلامی ثقافت کے اندر وہ کثیر انحرافات پائے جاتے جو مسلمانوں کی

تاریخ میں ان کے بہت سے مصائب کا سبب بنے۔

ہم یہاں پر اس سلسلہ میں تین سوال پیش کرتے ہیں:

(۱) ——— وہ کون سے اسباب تھے جنھوں نے بہت سے حالات میں سنتِ نبویؐ تک رسائی کو مشکل بنا دیا تھا؟

(۲) ——— علماء و فقہاء امت ان سخت و مشکل حالات میں کس طرح حکم شرعی تک پہنچتے تھے؟

یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی پوری زندگی میں حکم شرعی کی ضرورت رہتی تھی اور رہتی ہے اور حکم شرعی کے حصول کے لیے ایک مصدر اور قطعی دلیل کی ضرورت بدیہی بات ہے۔ کیونکہ فقیہ کے پاس جب تک کوئی معقول شرعی مصدر اور قطعی حجت نہ ہو وہ حکم شرعی کا قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ پس ایسی صورت میں کہ اگر فقہاء کو قرآن میں کوئی حکم نہ ملے اور سنتِ نبویؐ تک رسائی ممکن نہ ہو تو پھر علماء حکم شرعی کو کیونکر حاصل کریں گے؟ اور کس مصدر سے حکم شرعی نافذ کریں گے؟ دوسرے لفظوں میں اس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ علماء حکم شرعی کے استخراج میں ان مشکلات سے کیسے نپٹتے تھے؟

(۳) ——— ان حالات میں اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ فقہاء حکم شرعی کے استخراج میں کس چیز پر اعتماد و بھروسہ کرتے تھے، ایک فطری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اسلام کے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ جب کہ یہ صورت حال متوقع اور معقول بھی ہے۔ اور کیا اسلام نے فقہاء و علماء کے لیے کسی ایسے راستے کی نشاندہی کی ہے جس پر علماء حیاتِ رسولؐ کے بہت بعد کے زمانہ میں چل سکیں۔ اور اگر اسلام نے کوئی ایسا راستہ بتایا ہے

تو وہ کون سا راستہ یا کون سا طریقہ ہے ؟

یہ وہ تین اہم سوالات ہیں جن کو پیش کر کے ہم ان کے جواب دینا چاہتے ہیں۔ لیکن کیونکہ ان سوالات کے جوابات آیتِ تطہیر کی بحث پر موقوف ہیں اس لیے ہم اس کتاب میں آیتِ تطہیر سے بحث کریں گے۔

(۱) سنتِ نبویؐ کے راستہ میں مُشکلات

اس سلسلہ میں مشکلات تو بہت ہیں لیکن ہم عنقریب ان اہم اسباب کو ذکر کریں گے جن کی وجہ سے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد صدرِ اول کو چھوڑ کر بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے سنتِ رسولؐ کا حاصل کر لینا دشوار تر ہو گیا تھا۔

جن اسباب کا ذکر ہم بعد میں کریں گے ان کے بارے میں چاہے کسی کو شک ہو لیکن ان اسباب کا جو نتیجہ ہے اس نتیجہ کے بارے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا یعنی مدتِ محدود کے علاوہ سنتِ رسولؐ ان صحیح و قطعی روایات سے حاصل کرنا جو خود رسولِ خداؐ سے مروی ہوں بہت ہی مشکل بات تھی۔

اب میں بعض اسباب کا ذکر کرتا ہوں جن کی بنا پر مسلمان اپنے نبیؐ کی سنت حاصل کرنے سے محروم رہے۔

الف : پہلی مشکل

ضبطِ احادیث کا اہتمام نہ کرنا

اصحابِ کرامؓ حدیثِ رسولؐ اور سنتِ رسولؐ کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ اہتمام نہیں کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولِ خداؐ کے انتقال کے بعد سنتِ نبویؐ کی بہت سی اہم چیزیں ضائع و برباد ہو گئیں۔ اور یا پھر ایسی ظاہری چیزوں میں

اختلافات پیدا ہو گئے کہ (جن کے بارے میں) اگر مسلمان رسولِ خداؐ کی زندگی میں ذرا بھی توجہ دیتے تو وہ چیزیں نہ پوشیدہ رہتیں نہ ان میں کوئی اختلاف ہوتا۔ لے

لے حالانکہ رسولِ خداؐ اصحاب کو تدوینِ حدیث وسنت کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔ اور فرماتے تھے جو لوگ موجود نہیں ہیں ان تک اس کو پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ رسولِ خداؐ کا وہ مشہور خطبہ جو آپؐ نے مسجد خیف میں دیا تھا اس میں ہے: "پروردگارِ عالم اس بندہ کو شاد و آباد رکھے جو میرا خطبہ سُن کر یاد رکھے اور جس نے اس کو نہیں سُنا ہے اس تک اس کو پہنچا دے۔ اس لیے کہ بسا اوقات فقہ کے حامل وہ لوگ ہوتے ہیں جو فقہ نہیں جانتے اور بسا اوقات حاملینِ فقہ اس تک فقہ کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقہ کا علم رکھتے ہیں" (مستدرک الحاکم ج ۱ ص ۸۷)

اسی طرح ارشادِ رسولؐ ہے: "تم لوگ سنتے ہو اور لوگ تم سے سنتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی لوگ سنتے ہیں جو تم میں سے ہوتے ہیں" (مستدرک الحاکم ج ۱ ص ۹۵)

عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہؐ کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انھوں نے آنحضرت سے پوچھا: اے خدا کے رسولؐ! میں جو باتیں آپ سے سنتا ہوں کیا ان کو لکھ لیا کروں؟ فرمایا: ہاں (لکھ لیا کرو) عبداللہ نے پھر کہا: چاہے وہ باتیں غصہ کی حالت کی ہوں یا خوشی کے وقت کی ہوں؟ (ان سب کو لکھ لیا کروں؟) فرمایا: ہاں! کیونکہ میں حق بات ہی کہتا ہوں۔ (مستدرک الحاکم ج ۱ ص ۱۰۵)

قریش نے عبداللہ بن عمرو کو احادیث لکھنے سے روک دیا اور انھوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ عبداللہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں نے اس بات کا ذکر رسولِ خداؐ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا: تم لکھا کرو۔ اور اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے صرف حق بات ہی نکلتی ہے۔ (مستدرک الحاکم ج ۱ ص ۱۰۶)

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: رسول اللہؐ نے فرمایا: "علم کو قید کر لیا کرو۔ میں نے کہا: علم کیسے قید ہوتا ہے؟ فرمایا: لکھ لیا کرو" (مستدرک الحاکم ج ۱ ص ۱۰۶)

صحابہ کی تاریخ میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں (مثلاً) حضرت عمر بھول گئے کہ آنحضرتؐ عیدین کی نماز میں کون سے سورے پڑھا کرتے تھے بلکہ آپ نے لوگوں سے پوچھا بھی کہ نماز عیدین میں قرآن کے کون سے سورے پڑھنے بہتر ہیں۔

چنانچہ عبید اللہ کا بیان ہے:

"حضرت عمرؓ عید کے دن (نماز عید کے لیے) نکلے تو ابی واقد اللیثی کے پاس آدمی بھیج کر یہ پوچھا کہ: آج کے دن رسولِ خداؐ کیا پڑھا کرتے تھے؟ تو انھوں نے کہا: (سورہٴ) ق اور اقتربت (الساعۃ)"[1]

صحیح مسلم میں عبدالرحمن بن ابزیٰ کے حوالے سے روایت ہے کہ عبدالرحمن کے والد نے روایت کی ہے کہ:

"ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور پوچھا: میں مجنب ہوگیا اور مجھے پانی نہیں ملا (تو میں کیا کروں؟)۔ حضرت عمرؓ نے کہا: تم نماز نہ پڑھو! (اس پر) عمار بول اٹھے: اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سریہ (جنگ) میں ہم اور آپ شریک تھے اور ہم دونوں مجنب ہوگئے اور پانی نہ ملا تو آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں نے پورے جسم پر مٹی

---

[1] الغدیر (ج ۶ ص ۳۲۰) میں صحیح مسلم (ج ۱ ص ۲۴۲ کتاب الصلوٰۃ العیدین) اور سنن ابی داؤد (ج ۲ ص ۲۸۰) اور موطا امام مالک (ج ۱ ص ۱۴۷ کتاب العیدین) اور سنن ابن ماجہ (ج ۱ ص ۱۸۸) اور صحیح ترمذی (ج ۱ ص ۱۰۶) اور سنن نسائی (ج ۳ ص ۱۸۴) اور سنن البیہقی (ج ۳ ص ۲۹۴) کے حوالے سے لکھا ہے اور عبارت ابن ماجہ کی ہے۔

ملی[۱] اور نماز پڑھی۔ اس پر رسولِ خدا نے فرمایا: "تمھارے لیے اتنی بات کافی تھی کہ دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر پھر ہاتھوں کو پھونک دیتے اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے چہرے کا اور دونوں ہتھیلیوں کا مسح کر لیتے"۔ اس پر حضرت عمر بولے: "اے عمار خدا سے ڈرو!" عمار نے کہا: "اگر آپ چاہیں تو میں اس حدیث کو بیان نہ کروں"۔[۲]

اس کے شواہد تو بہت ہیں لیکن ہم نہ ان کو مفصل بیان کرنا چاہتے اور نہ ہی تمام کے تمام شواہد کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

ان شواہد سے یہ بات بہرحال بغیر کسی شک و تردید کے ثابت ہوتی ہے کہ اصحابِ رسولؐ کی کوئی خاص توجہ اس بات پر نہیں تھی کہ آنحضرتؐ سے جو روایت کی جائے یا جس کو یہ لوگ خود سُنیں اس کو محفوظ بھی رکھیں۔ اصحاب نے اس وقت تک یہ نہیں سوچا کہ رسولِ خدا کے بعد روایت اور دینی فتاویٰ کی زعامت و امامتِ مسلمین کے لیے خود کو تیار رکھیں۔

بقول ابنِ حزم مدینہ کے اندر اصحاب اپنے معاش کی تلاش میں مشغول رہا کرتے تھے کیونکہ حجاز میں معیشت کی پریشانی کی وجہ سے اصحاب کو قوتِ لایموت کا ملنا بھی دشوار تھا اور آنحضرتؐ جو بھی حکم دیتے تھے اور جو بھی فتویٰ بیان کرتے تھے

۱۔ تمعک کا ترجمہ تو زمین پر لوٹنا ہے مگر میں نے مفہوم لکھا ہے۔ (مترجم)

۲۔ صحیح مسلم (ج ۱ ص ۱۹۳ کتاب الحیض باب تیمم) اور الغدیر (ج ۶ ص ۸۳) میں سنن ابی داؤد (ج ۱ ص ۵۳) اور سنن ابن ماجہ (ج ۱ ص ۲۰۰) اور مسند احمد (ج ۴ ص ۲۶۵) اور سنن نسائی (ج ۱ ص ۵۹، ۶۱) اور سنن البیہقی (ج ۱ ص ۲۰۹) کے حوالے سے تحریر ہے

صرف ان اصحاب کے سامنے بیان کرتے تھے جو اس وقت موجود رہتے تھے اور جو لوگ موجود نہیں رہتے تھے ان کے لیے حجّت ان لوگوں کا قول ہوا کرتا تھا جو موجود ہوتے تھے اور وہ صرف ایک یا دو آدمی ہوا کرتے تھے۔[1]

اس کے علاوہ اصحاب کی یہ عادت بھی نہیں تھی کہ دینی امور کے بارے میں خود ہی بڑھ کر رسولِ خداؐ سے سوال کر لیتے بلکہ بعض تو اس انتظار میں رہا کرتے تھے کہ کوئی بدّو عرب آکر رسولِ خداؐ سے پوچھے تو یہ لوگ حدیثِ رسولؐ کو سُنیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"تمام اصحابِ رسولؐ کے اندر یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ رسولِ خدا سے سوال کر کے سمجھ سکتے۔ اور کچھ ایسے لوگ یقیناً تھے جو آنحضرتؐ سے سوال تو کرتے تھے مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ ان لوگوں کو یہ بات بہت پسند تھی کہ کوئی بدو یا مہمان آکر رسولِ خداؐ سے سوال کرے اور یہ لوگ اس کو سُنیں"۔[2]

اصحاب کا عالم یہ تھا کہ جو چیزیں وقوع میں نہیں آئی ہیں ان کے بارے میں بھی سوال کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ اپنے لیے زحمت و مشکل سمجھتے تھے اور اپنی اس دل تنگی کا باقاعدہ اظہار بھی کر دیتے تھے۔

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے:

"خدا کی قسم میں اس شخص پر سختی کروں گا جو ایسی بات معلوم کرے

---

[1] الاصول العامۃ للفقہ المقارن۔ ص ۱۶۲، منقول از تمہید لتاریخ الفلسفۃ الاسلامیہ ص ۱۲۳

[2] الغدیر (ج ۶ ص ۲۹۲) منقول از سنن الدارمی (ج ۱ ص ۵۰ اور اس کے بعد)

جو نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے کہ جو چیزیں ہونے والی ہیں خدا نے
ان سب کو بیان کر دیا ہے۔"

موصوف یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

"جو چیز ابھی نہیں ہوئی ہے اس کے بارے میں کسی کا سوال کرنا
جائز نہیں ہے۔ جو چیزیں ہونے والی ہیں خدا نے ان کے بارے میں
فیصلہ کر دیا ہے۔"

عبداللہ ابن عمر کا بیان ہے:

"میں نے عمر بن خطاب کو ان لوگوں پر لعنت کرتے ہوئے سنا
ہے جو ان چیزوں کے بارے میں سوال کریں جن کا وجود ابھی
نہیں ہوا ہے۔"

حالانکہ اس میں کوئی حرج نہیں تھا کہ لوگ اصحابِ رسولؐ سے اس سنّتِ رسولؐ اور اس حدیثِ رسولؐ کے بارے میں پوچھتے جو بعد میں ہونے والے امور سے متعلق ہوتیں اگرچہ سرِ دست ان کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ چیزیں بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے بطور یادگار باقی رہ جاتیں اور بعد میں آنے والی نسلیں ان حدیثوں کو مشعلِ راہ بناتیں۔ یقیناً اس قسم کے سوالات میں کوئی حرج نہیں تھا۔

بلکہ درحقیقت مسئلہ یہ تھا کہ اصحاب کے پاس اتنی فرصت ہی نہیں تھی کہ وہ رسولؐ خدا سے حدیثوں کو سنتے اور باقاعدہ انھیں محفوظ رکھتے۔ اور نہ وہ اپنے آپ کو اس بات کے لیے تیار کر سکے تھے کہ رسولِ خداؐ کی علمی میراث کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ رکھتے اپنی وراثت آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی ضرورت سے پیغمبرؐ لاعلم نہ تھے بلکہ آپؐ نے اس سلسلہ میں خداوندِ عالم کے حکم سے گہری منصوبہ بندی کی تھی جس کا ذکر اس کتاب میں کیا جائے گا۔

ب (دوسری مشکل)

سنتِ رسولؐ کی تدوین سے گریز کرنا

اگر مسلمان رسولِ خدا کی زندگی میں سنتِ نبویؐ کے ضبط نہ کرنے کی غلطی پر متنبہ ہوجاتے اور رسولؐ کے بعد جو حدیثیں ان کے پاس تھیں ان ہی کو مدوّن کر لیتے تب بھی یہ معاملہ بہت آسان ہوجاتا اور اس طرح مسلمان حدیث و سنتِ رسولِ خداؐ کے بہت بڑے حصّے کو تلف و برباد ہونے سے بچا لیتے اور وہ حدیثیں بعد کی نسلوں تک پہنچ جاتیں۔

خود مدینہ منورہ میں بطور خاص اور دیگر شہروں میں بطور عام ایسے عادل اصحاب موجود تھے جن کو مسلمان جانتے تھے کہ یہ صادق ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں اور سنتِ رسولؐ کے پیرو ہیں۔ ایسے اصحاب کی تعداد بھی کم نہ تھی بلکہ اچھے خاصے اصحاب ان صفات کے حامل تھے۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ بزرگ صحابہ کی ایک خاصی تعداد نہ جانے کیوں حدیثِ رسولؐ کی تدوین کو ناپسند کرتی تھی اور کبھی تو وہ لوگ تدوینِ حدیث سے کھلم کھلا روکتے تھے (اس کے اسباب اب تک ہمارے علم میں نہیں) ویسے تو لوگ اس ناپسندیدگی کی توجیہ بھی کرتے تھے لیکن ہم اگر ان کی نیت پر شک نہ بھی کریں تب بھی ان کی توجیہات کی واقعیت میں شک ہے۔ مثلاً لوگ اس بات کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس طرح سنتِ نبویؐ کی تدوین اور اس کا اہتمام کرنا کتابِ خدا سے دوری کا سبب بن جاتا یا کتاب خدا اور حدیثِ رسولؐ مخلوط ہو جاتی جیسا کہ گزشتہ امتوں میں ایسا ہو چکا ہے۔[۱]

---

[۱] دوسری وجہ اس لیے محل تامل ہے کہ قرآنی آیات کی فصاحت و بلاغت (باقی اگلے صفحہ پر)

حالانکہ ہم نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں نے ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد باقی ماندہ سنتِ نبویؐ کو بڑے اہتمام سے ضبط و تدوین کیا اور ان کا یہ عمل نہ قرآن سے انحراف کا باعث ہوا اور نہ قرآنی آیات حدیثوں سے مخلوط ہوئیں۔

بہرحال جو بھی ہو یہ بات طے شدہ ہے کہ اصحابِ کرام احادیثِ رسولؐ کی تدوین سے کراہت برتتے تھے اور یہ مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے۔ کتبِ سیر و تاریخ و مصادرِ حدیث نے اس بات کو لکھا ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک اور بحث کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح افکارِ اسلامی و ثقافتِ اسلامیہ کو جو عظیم نقصان سنتِ نبویہؐ کے ضیاع سے پہنچا ہے وہ بھی واضح ہے، اس میں بھی کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان حضرات کی نیت میں شک کرنے کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ ان اسباب و علل میں بحث کی بہرحال گنجائش ہے جن کو لوگوں نے سنتِ رسولؐ تدوین نہ کرنے کے سلسلہ میں بنیاد بنایا ہے۔

رسولِ خدا کی وفات کے بعد اصحاب کی کراہت اور تدوینِ حدیث سے گریز بہت ہی واضح صورت میں ظاہر ہوا۔ اور اس کو ایک دینی مؤقف کی صورت دے دی گئی۔ یہ صورت حال دوسری صدی ہجری کے اوائل تک باقی رہی۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے اس تمام مدت میں سنتِ رسولؐ کی جمع آوری، تبویب و تدوین سے عملی اور منظم صورت میں گریز کیا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اس وقت بھی اصحابِ کرام کی ایک جماعت اس نظریہ کی مخالفت کرتی رہی بلکہ تابعین کی بھی ایک جماعت اس کی شدید مخالف رہی اور ان لوگوں

(بقیہ صفحہ گزشتہ سے پیوستہ)
کی بنا پر احادیث سے مخلوط ہو جانے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ان دونوں میں فرق تو غیر عرب کر لیتے چہ جائیکہ عرب حضرات جن کی مادری زبان ہی عربی تھی۔ پہلی وجہ اس سے بھی بدتر ہے۔
(مترجم)

کے امکان میں جتنا تھا انھوں نے اس حد تک ہمارے لیے سنتِ رسولؐ کو جمع کیا۔ یہ تو خدا جانتا ہے کہ اس طویل مدت میں کتنی حدیثیں ضائع ہو گئیں اور اسلامی علوم کو کتنا بڑا دھچکہ لگا۔

اب ہم آپ کے سامنے کچھ ایسے تاریخی شواہد پیش کریں گے جن سے معلوم ہو گا کہ علانیہ حدیث و سنتِ رسولؐ سے کس قدر بے اعتنائی برتی گئی۔

(۱) حاکم نے بسند خود حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں:

"میرے باپ نے رسولِ خداؐ کی پانچ سو حدیثیں جمع کی تھیں (میں نے دیکھا کہ ایک رات) وہ کروٹیں بدلتے رہے (حضرت عائشہ) فرماتی ہیں مجھے اس سے بہت غم ہوا اور میں نے سوچا شاید کسی تکلیف کی بنا پر ایسا ہے یا کوئی ایسی (بری تکلیف دہ) خبر پہنچی ہے۔ جب وہ صبح کو اٹھے تو بولے: بیٹی وہ حدیثیں میرے پاس لاؤ جو تمھارے پاس ہیں۔ میں ان حدیثوں کو لے کر آئی تو انھوں نے ساری حدیثوں کو آگ لگا دی اور فرمایا: مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں میں مر جاؤں اور یہ حدیثیں تمھارے پاس رہ جائیں اور اس میں ایسے لوگوں کی حدیثیں ہوں جن کو میں امین سمجھتا ہوں اور جن پر بھروسہ رکھتا ہوں لیکن واقع اور نفس الامر میں وہ ویسی نہ ہوں جیسا کہ ان لوگوں نے مجھ سے بیان کیا ہے تو اس کی ساری ذمہ داری میرے اوپر ہو گی۔"

(۲) حضرت عمرؓ اصحابِ رسولؐ کو رسولِ خداؐ کی حدیثوں کی روایت سے منع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حاکم نے قرظہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"ہم لوگ ایک مرتبہ عراق جانے کے ارادہ سے نکلے تو عمر بن خطاب بھی ہمارے ساتھ (صرار) تک آئے۔ وہاں آکر وضو کیا اس کے بعد کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمھارے ساتھ یہاں تک چل کر کیوں آیا؟ سب نے کہا: ہاں کیونکہ ہم لوگ رسولِ خداؐ کے صحابی ہیں اس لیے ہمارے ساتھ چل کر آپ آئے۔ تو عمر نے کہا: تم لوگ اہلِ قریہ کے پاس جا رہے ہو ان کی تلاوتِ قرآن کی بھنبھناہٹ شہد کی مکھیوں کی طرح ہے لہٰذا تم لوگ ان سے احادیثِ رسولؐ کو بیان نہ کرنا۔ ورنہ وہ لوگ تمھارے پیچھے لگ جائیں گے۔ قرآن کو الگ رکھو اور رسولِ خداؐ کی روایت بہت کم بیان کرو۔" [1]

(۳) یہ روایت بھی حاکم نے بسندِ خود سعد بن ابراہیم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ:

"عمر بن خطاب نے ابن مسعود، ابو درداء اور ابوذر سے کہا: یہ تم لوگوں نے رسولِ خداؐ کی حدیثوں کا کیا چکر چلا رکھا ہے! اور میرا خیال ہے انھوں نے ان تینوں کو اپنی موت تک مدینہ میں قید کر دیا تھا۔" [2]

(۴) طبرانی نے ابراہیم بن عبدالرحیم سے روایت کی ہے کہ:

"حضرت عمر نے ابن مسعود اور ابو درداء اور ابو مسعود انصاری کو

---

[1] مستدرک الصحیحین ۔ للحاکم ۔ ج ۱ ص ۱۰۲

[2] مستدرک الصحیحین ۔ ج ۱ ۔ ص ۱۱۰

مدینہ میں قید کر دیا تھا اور کہا تھا کہ تم لوگوں نے رسول خدا ؐ کی حدیث کو بہت زیادہ بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی (عمر کی) وفات ہو گئی۔"[۱]

⑤ ابو ہریرہ کا بیان ہے :

"ہم لوگوں میں اتنی ہمت وجرأت نہیں تھی کہ ہم یہ کہہ سکتے : قال رسول اللہ ؐ۔ اور یہ بات عمر کی وفات تک رہی۔"[۲]

(جب لوگوں پر حدیث بیان کرنے کی پابندی لگ گئی تو) لوگوں نے مجبوراً حدیث کو لکھنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر نے لوگوں کو اس سے بھی روک دیا۔

⑥ علامہ سیوطی اپنی کتاب "تنویر الحوالک" میں زہری سے روایت کرتے ہیں کہ:

"زہری سے عروۃ بن زبیر نے کہا: حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ سنن رسول ؐ کو لکھوا لیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے اصحاب رسول ؐ سے مشورہ کیا تو ہر شخص نے اس کا مشورہ دیا۔ حضرت عمر اس کے بعد ایک ماہ تک خدا سے استخارہ کرتے رہے اور اس سلسلہ میں تردد کا شکار رہے۔ پھر اس کے بعد ایک دن جب صبح کو بیدار ہوئے تو عزم محکم کر لیا اور لوگوں سے کہا: آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں نے سنن کی کتابت کا ارادہ کر لیا تھا اور آپ لوگوں سے مشورہ بھی کیا تھا لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ

۱۔ الغدیر ج ۶ - ص ۲۹۴ منقول از تذکرۃ الحفاظ (ج ۱ ص ۷) مجمع الزوائد (ج ۱ - ص ۱۴۹)

۲۔ الغدیر (ج ۶ - ص ۲۹۴) منقول از تاریخ ابن اثیر (ج ۸ - ص ۱۰۷)

اہلِ کتاب نے تم سے پہلے خدا کی کتاب کے ساتھ اور بھی کتابیں
لکھیں اور پھر اسی کے ہو رہے اور خدا کی کتاب کو چھوڑ بیٹھے۔
اور میں خدا کی قسم کتاب اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کو مخلوط
نہ کروں گا۔ اس کے بعد سنن کی کتابت کا ارادہ ترک کر دیا"۔[1]

مسلمانوں میں سنتِ رسول کی تدوین کا سلسلہ عمر بن عبد العزیز کی خلافت کے آخری دور سے شروع ہوا ہے۔[2]

---

[1] تنویر الحوالک للسیوطی (ج ۱۔ ص ۴)

[2] عجیب و غریب بات یہ ہے کہ خود آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں اس بات کی طرف متعدد مرتبہ اشارہ فرمایا تھا کہ لوگ کتاب الہیٰ پر انحصار کرنے لگیں گے اور حدیث کی روایت اور اس کی نقل میں سستی کریں گے۔ چنانچہ حاکم نے مستدرک کے (ج ۱ ص ۱۰۸) پر تحریر کیا ہے: عبید اللہ ابن ابی رافع اپنے باپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے آنحضرتؐ سے نقل فرمایا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم میں سے میں کسی کو اس طرح نہ پاؤں کہ اپنے پلنگ پر لیٹا ہو اور اس کے پاس میرا کوئی حکم یا میری کوئی نہی آئے تو وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا ہم کو تو کتاب خدا میں جو ملا ہے ہم نے اسی کی پیروی کی ہے۔

حاکم ہی نے ایک دوسری روایت (ج ۱۔ ص ۱۰۹) پر عبید اللہ ابن ابی رافع سے نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو اس طرح نہ دیکھوں کہ وہ ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھا ہو اور جب اس کے پاس میرا کوئی حکم یا میری نہی آئے تو وہ کہہ دے کہ ہم تو اس کو نہیں جانتے۔ لو دیکھو یہ خدا کی کتاب ہے اس میں تو نہیں ہے۔

حاکم ہی نے (ج ۱ ص ۱۰۹) پر یہ بھی روایت لکھی ہے کہ: لوگ رسولِ خداؐ کے پاس بیٹھے تھے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ دیکھوں کہ میرا امر (باقی اگلے صفحہ پر)

سیوطی کہتے ہیں :

"یحییٰ بن سعید نے عبداللہ بن دینار سے نقل کیا ہے (اور اس کو ہروی نے کلام کی مذمت کے سلسلہ میں نقل کیا ہے) کہ ابن دینار نے کہا: اصحاب اور تابعین حدیث کی کتابت نہیں کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ لفظا ادا کرتے تھے اور از روئے حافظہ اس کو اخذ کرتے تھے۔ صرف کتاب صدقات اور تھوڑی سی وہ چیزیں جن پر محقق تحقیق کے بعد اطلاع حاصل کر سکتا ہے ان کو لکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان حدیثوں کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور علماء کی اموات جلد جلد ہونے لگی تھیں تو امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر حزمی کو جو باتیں لکھی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ عمر کی حدیث یا سنت جو بھی ہو اس کو لکھ ڈالو"[1]

مالک نے موطاء میں محمد بن حسن کی روایت نقل کی ہے کہ :

"یحییٰ بن سعید نے ہم کو خبر دی کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) میری نبی اس کے پاس آئے (اور وہ اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو) تو وہ کہدے ہم کو جو کتاب خدا میں ملے گا اس پر عمل کریں گے اور جو نہ ملے گا اس پر عمل نہیں کریں گے۔ حاکم ی نے (ج ۱- ص ۱۰۹) پر لکھا ہے: مقدام بن معدی کرب رسولؐ کے صحابی کہتے تھے: خیبر کے دن آنحضرتؐ نے کچھ چیزوں کو حرام فرمایا ان میں سے پالتو گدھا وغیرہ بھی تھا اور اس کے بعد فرمایا: عنقریب تم میں سے کچھ لوگ اپنے تخت پر بیٹھ کر میری حدیث بیان کریں گے اور کہیں گے کہ میرے اور تمھارے درمیان خدا کی کتاب ہے۔ اس میں جو حلال ہے اسی کو حلال سمجھو اور جو حرام ہے اسی کو حرام سمجھو۔ رسولِ خداؐ نے اسی چیز کو حرام کیا ہے جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔ ۱۲

[1] تنویر الحوالک (ج ۱- ص ۴-۵)

بن عمرو بن حزم کو لکھا: تم ذرا دیکھو رسولِ خدا کی حدیث یا سنت یا عمر کی حدیث یا اسی قسم کی جو بھی چیز ہو اس کو لکھ ڈالو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں علم مٹ نہ جائے اور علماء بھی مر جائیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو لکھا ہے اور ابو نعیم نے تاریخ اصفہان میں اس طرح لکھا ہے: عمر بن عبد العزیز نے تمام قلمروِ اسلامی میں لکھا: رسولِ خدا کی حدیثوں کو (لکھو) پس سب نے ان کو جمع کیا۔"[1]

التمہید میں ابن عبد البر نے ابن وہب کے واسطہ سے لکھا ہے کہ:

"میں نے مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: عمر بن عبد العزیز نے تمام شہروں میں لکھا کہ لوگوں کو فقہ اور سنن کی تعلیم دو۔ اور مدینہ لکھا اور ان سے گزشتہ باتوں کے بارے میں پوچھا اور حکم دیا کہ تمھارے پاس جو ہے اس پر عمل کرو۔ اور ابوبکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ: تم سنن کو جمع کرو اور ان کو میرے پاس لکھو۔ (اتفاق سے) عمر بن عبد العزیز کا انتقال ہوگیا۔ ابن حزم نے عمر کے پاس بھیجنے سے پہلے کئی کتابیں لکھ ڈالی تھیں۔"

حافظ ابن حجر نے شرح بخاری کی تعلیق سابق کے سلسلہ میں لکھا ہے:

"اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسی وقت سے حدیث نبوی کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔"

اس کے بعد لکھا ہے کہ:

---

[1] تنویر الحوالک (ج ۱ ص ۵)

"سب سے پہلے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے جس شخص نے حدیث کی تدوین کی ہے وہ ابن شہاب الزہری ہیں"۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

"اصحاب اور بزرگ تابعین کے زمانہ میں آثارِ رسول ؐ کتابوں میں نہیں جمع کیے گئے تھے۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ۱۔ ابتدا میں ان کو اس کام سے روک دیا گیا تھا (جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے) کیونکہ خطرہ تھا کہ کہیں تمام آثارِ رسول ؐ یا بعض حصے قرآنِ عظیم سے مخلوط نہ ہو جائیں۔ ۲۔ ان کی قوتِ حافظہ بہت قوی تھی اور ان کے اذہان میں زیرکی تھی اور یہ بھی ہے کہ اکثر اصحاب لکھنا نہیں جانتے تھے (اس لیے آثار کو جمع نہیں کیا گیا) البتہ جب شہروں شہروں علماء پھیل گئے اور بدعتی لوگوں کی کثرت ہو گئی جیسے خوارج و روافض اور منکرینِ اقدار تب تابعین کے آخری دور میں آثار کی تدوین اور روایات کی ابواب بندی شروع ہوئی۔ اور سب سے پہلے یہ کام ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ نے کیا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی کیا۔ یہ لوگ ہر باب کو الگ لکھا کرتے تھے۔ لیکن جب تیسرے طبقے کے بزرگوں نے اس کا بیڑا اٹھایا تو انھوں نے احکام کی تدوین کی۔ چنانچہ امام مالک نے موطاء لکھی اور اس میں کوشش کر کے اہلِ حجاز کی قوی حدیثوں کو لکھا ... اور پھر اس کے بعد بعض ائمہ نے

---

[1] تنویر الحوالک

صرف احادیثِ رسولؐ کو الگ لکھا اور یہ کام دوسری صدی ہجری کے اوائل میں ہوا۔" [1]

ہماری مندرجہ بالا گفتگو سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :

الف : اصحابِ رسولؐ، رسولِ خداؐ کی حدیثوں کو نہیں لکھا کرتے تھے یا کم ازکم اتنا تو ماننا ہی ہوگا کہ اصحاب کی کوئی حدیث کی کتاب ہم تک نہیں پہنچی۔

ب : حدیث کی جمع و تدوین کی شدید ضرورت عمر بن خطاب کے زمانہ میں محسوس کی گئی مگر خلیفہ نے اس کی اجازت نہیں دی اور مسلمانوں کو اس بات سے روک دیا کہ وہ جمع و تدوینِ حدیث کا کام کریں اور روکنے کی علت یہ تھی کہ کہیں حدیث و قرآن مخلوط نہ ہوجائیں یا لوگ قرآن کو چھوڑ کر حدیث میں مشغول ہوجائیں۔

ج : حکومتِ وقت کی طرف سے تدوینِ حدیث کی ممانعت کر دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جعلی حدیث بنانے والوں کو موقع مل گیا اور انھوں نے من گھڑت روایات کو بیان کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کے درمیان بدعتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا۔

د : پڑوسی ممالک مثلاً ایران، شام، عراق وغیرہ سے مسلسل جنگوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصحابِ رسولؐ کی ایک کثیر تعداد جن کو حملۃ العلم کہا جاتا تھا شہید ہو گئی اور تابعین میں سے بھی اچھے خاصے حضرات راہی ملکِ بقا ہوگئے اور اصحاب و تابعین کے علماء کے مرجانے سے رسولِ خداؐ کی بہت سی حدیثیں ضائع ہوگئیں۔ بلکہ قریب تھا کہ رسولِ خداؐ کی علمی میراث ہی ختم ہوجائے۔

ھ : اسی لیے اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے کوشش کی کہ تابعین

---

[1] مقدمہ فتح الباری۔ للعسقلانی ص ۴، ۵

حضرات کے پاس جو کچھ بھی بچی کھچی حدیثیں رہ گئی ہیں ان ہی کو محفوظ کرلیا جائے چنانچہ انھوں نے جمع وتدوین حدیث کا حکم دے دیا۔ اور یہ کام دوسری صدی ہجری کے شروع ہی میں ہوا ہے کیونکہ عمر بن عبدالعزیز سنہ ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے تھے اور سنہ ۱۰۱ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

چنانچہ انھوں نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ: تم حدیث وسنتِ رسولؐ کو جمع کرو۔ مگر ابوبکر بن حزم قبل اس کے کہ حدیثوں کو کتابی صورت میں جمع کرکے مکمل کرتے عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔

ف: عمر بن عبدالعزیز کے مرتے ہی ان کا منصوبہ بھی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ہشام بن عبدالعزیز نے زہری کو حکم دیا اور دوبارہ اس کام کو محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے شروع کیا[1] البتہ زہری کے بعد آنے والے طبقہ میں یہ کام بڑے زور وشور سے شروع ہو گیا۔ اور یہ بات بہت ہی اطمینان سے کہی جاسکتی ہے کہ حقیقی معنی میں سنن کی تدوین کا کام سنہ ۱۲۰ھ اور سنہ ۱۵۰ھ کے درمیان شروع ہوا ہے۔[2]

اب قارئین خود ہی اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس طویل مدت میں رسولِ خداؐ کی کتنی حدیثیں تلف وضائع ہو گئی ہوں گی۔ کیونکہ یہ مدت مختصر نہیں ہے بلکہ رسولؐ کے انتقال کے بعد دوسری صدی ہجری کی ابتدا تک پھیلی ہوئی ہے۔

میراثِ نبوتؐ کو اس لمبے وقفہ کے بعد نقل کرنے سے بہت زیادہ احادیثِ سنتِ رسولؐ برباد ہو گئیں اور ہمارے ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکیں نیز صحابہ اور تابعین کو جتنی حدیثیں یاد تھیں ظاہر ہے کہ احکامِ الٰہی کے حصول میں جو مسلمانوں کو

---

[1] زہری حجاز وشام کا عالم تھا ۱۲۴ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔

[2] تمہید لتاریخ الفلسفۃ الاسلامیہ ص ۱۹۵، ۱۹۸ منقول از اضواء لابن ریۃ ص ۲۲۶

ضرورت تھی اس ضرورت کو یہ حدیثیں پورا نہیں کر سکتی تھیں اور نہ مسلمانوں کو اتنی حدیثیں احکامِ الٰہی سے بے نیاز بنا سکتی تھیں۔

ج: (تیسری مشکل)

جعلی حدیثیں اور انھیں وضع کرنے والے

فطری بات ہے کہ دنیا پرست اور لالچی لوگوں نے رسولِ خدا کی طرف نسبت دے دے کر حدیثوں کو بیان کرنا شروع کر دیا اور تھوڑے ہی دنوں میں یہ دھندا کافی چل نکلا اور اتنی جعلی روایات بنائی گئیں کہ صحیح و غلط کی تمیز مشکل ہو گئی۔ ائمہ حدیث کی بے پناہ کوششوں کے باوجود بہت سی جھوٹی حدیثیں صحیح حدیثوں میں شامل ہو گئیں اور بہت سی صحیح حدیثیں جھوٹی حدیثوں کی لپیٹ میں آ کر متروک ہو گئیں کیونکہ بہت سی صحیح احادیث ایسی تھیں جن میں ضروری مقدار میں روایت کی شروط موجود نہیں تھیں لہٰذا محدثین نے ان کو مہمل قرار دے دیا اور اس کا نتیجہ فتویٰ اور رائے میں اختلاف کی صورت میں نمودار ہوا اور بہت سی حدیثیں ضائع ہو گئیں۔ انتہا یہ ہے کہ حدیث کی معتبر کتابوں میں بھی جھوٹی اور جعلی روایات داخل ہو گئیں جس کی وجہ سے صحیح اور گھڑی ہوئی حدیثیں مخلوط ہو کر مشتبہ ہو گئیں۔

رسولِ خدا کی طرف نسبت دے کر اتنی جھوٹی حدیثیں گھڑی گئیں کہ آپ ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً:

○ جناب اسمٰعیل بخاری فرماتے ہیں:

"مجھے دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں حفظ ہیں۔" [۱]

---

[۱] الغدیر (ج ۵ ص ۲۹۱) منقول از ارشاد الساری للقسطلانی (ج ۱ ص ۳۳)

○ اسحاق بن ابراہیم کہا کرتے تھے:

"مجھے چار ہزار جعلی حدیثیں یاد ہیں۔"[۱]

○ کتاب (کشف الخفاء) کے خاتمہ میں عجلونی نے اچھی خاصی مقدار میں جعلی اور جعل کرنے والوں اور جعلی کتابوں کا ذکر کیا ہے اور صفحہ ۴۱۹ اور صفحہ ۴۲۴ پر ستو ابواب کا ذکر کیا ہے جن میں سے اکثر فقہ سے متعلق ہیں اور ہر باب کے بعد لکھا ہے:

"اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔" یا "اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔" یا اسی سے ملتا جلتا جملہ لکھا ہے۔[۲]

○ مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ نے کہا:

"رسولِ خدا[ص] نے فرمایا: آخری زمانہ میں دجال و جھوٹے لوگ ہوں گے۔ تم سے ایسی حدیثوں کو بیان کریں گے جن کو نہ تم نے سُنا ہوگا اور نہ تمھارے بزرگوں نے سُنا ہوگا۔ پس (ان سے) خبردار، خبردار کہیں وہ لوگ تم لوگوں کو گمراہ نہ کردیں اور تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کردیں۔"[۳]

زیادہ تر حدیثیں وہی لوگ گھڑتے تھے جو لوگوں میں متقی و پرہیزگار معروف تھے اور بعض لوگ اس کی توجیہ یہ کرتے تھے کہ جب مقصد یہ ہو کہ وعظ و نصیحت میں لوگوں کے دلوں کو نرم کیا جائے اور ان کو اعمالِ صالحہ کی ترغیب دلائی

۱۔ الغدیر (ج ۵ ص ۲۹۲) منقول از تاریخ خطیب بغدادی (ج ۶ ص ۳۵۲)

۲۔ الغدیر (ج ۵ ص ۲۹۲)

۳۔ صحیح مسلم (ج ۱ ص ۹ باب النہی عن الروایہ عن الضعفا والاحتیاط فی تحملہا)

جائے اور عذابِ خدا سے ڈرایا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

○ مسلم نے محمد یحییٰ بن سعید القطان سے اور انھوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ ان کے باپ کہا کرتے تھے:

"ہم نے صالح اور متقی حضرات کو حدیث سے زیادہ کسی اور چیز میں جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔" [1]

○ مسلم نے ابن ابی الزناد سے اور انھوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ ان کے باپ نے کہا:

"میں نے مدینہ میں سو ایسے آدمیوں سے ملاقات کی جو سب کے سب ثقہ اور امین تھے مگر ان سے حدیث نقل نہیں کی جاتی تھی۔" [2]

جعلِ حدیث کے سلسلہ میں سب سے دل چسپ وہ روایت ہے جس کو ملا علی قاری نے (اسرار مرفوعہ) میں لکھا ہے وہ کہتے ہیں:

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین (دونوں) نے مسجد الرصافہ میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد ایک قصہ گو کھڑا ہو کر بیان کرنے لگا اور اس نے کہا:

"مجھ سے احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے حدیث بیان کی اور ان دونوں سے عبدالرزاق نے اور ان سے معمر نے اور معمر سے قتادہ نے اور قتادہ سے انس نے بیان کیا کہ رسولِ خدا

---

[1] صحیح مسلم (ج ۱ ص ۱۳، باب الکشف عن معایب رواۃ الحدیث وناقلی الاخبار وقول الائمۃ فی ذالک)

[2] صحیح مسلم (ج ۱ ص ۱۱، باب فی ان الاسناد من الدین)

نے فرمایا: جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے گا خداوند عالم اس کے
لیے ہر کلمہ کے بدلے میں ایسا طائر پیدا کرے گا جس کی منقار
سونے کی اور پَر مرجان کے ہوں گے ...."

اور اس نے اپنے قصہ کو اتنا طویل کیا کہ تقریباً اس سے بیس صفحات بھر جاتے۔ اِدھر احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ احمد بن حنبل نے یحییٰ سے کہا:

"کیا تم نے اس شخص سے یہ حدیث بیان کی ہے؟"

انھوں نے کہا: "میں نے تو اس کو ابھی سُنا ہے۔"

قصہ گو اپنا قصہ سنا چکا اور لوگوں سے رقم اینٹھ چکا تو بیٹھ کر بقیہ رقموں کا انتظار کرنے لگا۔ یحییٰ بن معین نے ہاتھ کے اشارہ سے اس کو بلایا۔ قصہ گو یہ سمجھ کر یحییٰ کے پاس آیا کہ کچھ رقم ملے گی۔ اس کے آنے کے بعد یحییٰ نے کہا:

"تم سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے؟"

قصہ گو: احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے بیان کی ہے۔

یحییٰ: میں یحییٰ ابن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم لوگوں نے رسولِ خدا سے یہ حدیث نہیں سُنی۔ اگر تم کو جھوٹ بولنا ہی ہے تو ہمارے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت دیا کرو۔

قصہ گو: کیا آپ ہی یحییٰ بن معین ہیں؟

یحییٰ: ہاں میں ہی یحییٰ بن معین ہوں۔

قصہ گو: میں سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے۔ لیکن یقین آج ہوا۔

یحییٰ: تم کو کیسے علم ہوا کہ میں احمق ہوں؟

قصہ گو: گویا پوری دنیا میں تم دونوں کے علاوہ نہ تو کوئی یحییٰ بن معین ہے

اور نہ احمد بن حنبل ہے؟ میں نے تقریباً سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے روایت لکھی ہے۔

احمد بن حنبل نے یہ سُن کر اپنے منہ پر اپنی آستین رکھ لی اور کہا:

"اس کو جانے دو۔"

وہ قصہ گو وہاں سے اس طرح اٹھا جیسے ان دونوں کا مذاق اڑا رہا ہو[1]

اس طرح ایک محقق کو باسانی یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ جعلی احادیث وضع کرنے والوں نے رسولِ خداؐ کی وفات کے بعد مختلف اسباب کی بنا پر حدیثوں کو وضع کرنا شروع کر دیا۔ سرِدست ان تمام اسباب کا احصا کرنا اس مختصر سی کتاب میں مشکل ہے۔

حالات کی سنگینی کے اظہار کے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن کے اندر پانچ لاکھ حدیثوں میں سے صرف چار ہزار آٹھ سو ۴۸۰۰ حدیثوں کو منتخب کیا ہے (یعنی باقی سب جعلی ہیں؟) اور اسماعیل بخاری نے اپنی صحیح کے اندر تقریباً چھ لاکھ (۶۰۰۰۰۰) حدیثوں میں سے صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ (۲۷۶۱) حدیثوں کو ہی لکھا ہے۔ یہ تعداد مکررات کے حذف کرنے کے بعد کی ہے[2]

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند کے اندر تقریباً ساڑھے سات لاکھ حدیثوں میں سے صرف تین ہزار حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔ ویسے ان کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔

احمد بن فرات متوفی ۲۵۸ھ نے تقریباً ۱۵ لاکھ حدیثوں میں سے

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ ص ۵۵

[2] الغدیر (ج ۵ ص ۲۹۲) نقل از طبقات الذہبی (ج ۲ ص ۱۵۴)

صرف تین لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق تفسیر، احکام، قواعد وغیرہ سے ہے[1]۔

علمائے حدیث نے جان توڑ کوشش کر کے رسولِ خداؐ کی طرف منسوب جھوٹی حدیثوں کو الگ کرنے کی کوشش کی ہے اور الگ بھی کیا ہے مگر اس کے باوجود نہ جانے کتنی جعلی حدیثیں، حدیث کی معتبر کتابوں میں رہ گئی ہیں جن کے مطابق مسلمان عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ جعلی حدیثیں مسلسل سلسلہ وار ایسے راویوں سے منقول ہیں جن پر کوئی محدث شک بھی نہیں کر سکتا۔

حدیث گھڑنے والے حضرات نے بھی بڑی ذہانت اور دقتِ نظر سے حدیثوں کو گھڑا ہے اور معتبر طرق و اسانید کے درمیان اس طرح شامل کر دیا ہے کہ جو لوگ اس فن کے ماہر سمجھے جاتے ہیں وہ بھی صحیح و جعلی حدیثوں میں تمیز کرنے سے عاجز ہیں۔

اور اسی کے مقابلہ میں کتنی ایسی صحیح حدیثیں ہیں جو سچی ہیں اور رسولِ خداؐ نے ان کو فرمایا بھی ہے لیکن شرائط کے مکمل نہ ہونے کی وجہ سے علماء نے ان سے اعراض کیا ہے اور ان دونوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولِ خداؐ کی بہت سی حدیثیں ضائع ہو گئیں اور بہت سی خلط ملط ہو کر رہ گئیں جس کے نتیجہ میں مسلمان، رسولِ خدا کی بہت بڑی علمی میراث سے محروم ہو گئے۔

(۲) مسلمان کس طرح حکمِ شرعی تک پہنچے

درج بالا اسباب اور دیگر اسباب کی بنا پر وفاتِ رسولؐ کے بعد سب سے بڑی مشکل جو مسلمانوں کو درپیش ہوئی وہ یہی تھی کہ انھیں سنتِ نبویؐ کی قلت کا سامنا

---

[1] الغدیر ج ۵ ص ۲۹۳، منقول از خلاصۃ التہذیب ج ۹

کرنا پڑا۔ میرا خیال ہے سنتِ نبویؐ کی قلت پر اب مزید دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ رسولِ خدا کی وفات کے بعد ہی سے مسلمانوں کا رائے، اجتہاد، قیاس، استحسان پر عمل کرنا سب سے بڑی دلیل ہے کہ ان کے پاس سنتِ نبویؐ تھی ہی نہیں اور اگر تھی بھی تو بہت کم تھی۔

اجتہاد۔ شرعی دلیلوں کے ذریعہ حکمِ شرعی کا حاصل کرنا یا مکلف کے لیے عمل وظیفہ کا معین کرنا خواہ وہ وظیفہ شرعی ہو یا عقلی ـــ اجتہاد کی سب سے بہتر تعریف یہی ہے۔

بہت سے اجتہادی نظریات پر ہونے والی بحثوں سے قطع نظر اجتہاد مجتہد کے لیے اس حکم کی حجیت نہیں عطا کر سکتا جس حکم کا مجتہد فتویٰ دے رہا ہے۔ حکم کی حجیت کا مطلب اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ پیش خدا انسان اپنے اعمال کے بارے میں یقین رکھتا ہو اور عذر رکھتا ہو۔ یعنی حکم کا مکلف کے ذمہ میں ثابت ہونا اور مکلف کا خدا کی بارگاہ میں معذور ہونا اگر مجتہد نے غلطی کی اور حکمِ واقعی تک نہ پہنچا۔ پس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں! کیونکہ مجتہد حکمِ شرعی حاصل کرنے کے لیے ادلۂ شرعیہ میں اپنی طاقت بھر امکانی کوشش کرتا ہے اور یا پھر اس کے پاس جو بکثرت دلیلیں موجود ہیں ان کے سہارے عملی وظیفہ معین کرنے کے لیے اپنی وسعت و طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے اور صرف اس کوشش و سعی کا لازمی نتیجہ یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اس کو واقعی حکمِ شرعی تک رسائی ہو جائے۔ اس کا صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ مکلف کے اوپر حکم ثابت ہو جاتا ہے اور وہ اس پر عمل کرنے کے بعد معذور سمجھا جاتا ہے۔ حجیت کا صرف یہی مطلب ہے۔ حکم کا حجت ہونا اور بات ہے اور حکمِ واقعی ایک الگ چیز ہے۔

حکم کا استنباط کرنے میں فقیہ اپنی امکانی طاقت بھر کوشش کر کے جس

حکم کا استنباط کرتا ہے (بشرطیکہ مسالک اجتہاد میں غلطی نہ ہو) وہ شرعاً حجت تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہی وہ حکمِ واقعی ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں پر لازم قرار دیا ہے۔

بس خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ حکمِ اجتہادی کی حجیت تو قطعی و یقینی ہے لیکن اس حکمِ اجتہادی کا حکمِ واقعی ہونا ظنی اور گمانی چیز ہے۔ فقیہ کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ یہ بھی یقین کرلے کہ یہ حکم، حکمِ واقعی ہے۔ اسے تو صرف ظن ہوتا ہے کہ یہی حکم واقعی ہے یعنی یہ حکمِ واقع کے مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے جو اجتہاد کی تعریف کی ہے اس میں لفظ "ظن" کا استعمال کیا ہے جیسا کہ آمدی وغیرہ سے منقول ہے۔ مثلاً آمدی نے اجتہاد کی تعریف اس طرح کی ہے:

"اجتہاد۔ احکامِ شرعی کا ظن حاصل کرنے کے لیے فقیہ کا اتنی کوشش کرنا کہ جس کے بعد یہ کہا جا سکے کہ اس سے زیادہ کوشش فقیہ کی طاقت کے باہر ہے۔"[1]

اس میں ظن سے مراد ہے کہ حکمِ اجتہادی کا خدا کے حکمِ واقعی کے مطابق ہونے میں ظن حاصل کرنا۔ اصل حجیت میں ظن مراد نہیں ہے۔

پس اجتہاد کا فائدہ یہ ہے کہ ادلۂ شرعیہ سے جو حکم فقیہ نے حاصل کیا ہے اس کے بارے میں یہ ظن ہو جانا کہ یہ حکمِ خدا کے حکمِ واقعی کے مطابق ہے۔ فقیہ صرف حکمِ شرعی کے بارے میں ظن حاصل کر لیتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں! اور شریعت کی نظر میں اس کا یہ ظن معتبر ہے۔ لیکن یہ ظن اس بات کی گارنٹی نہیں دیتا کہ فقیہ کا فتویٰ ہمیشہ حقیقی حکمِ شرعی کے مطابق ہی ہو

---

[1] ارشاد الفحول۔ شوکانی ص ۲۵۰

کرتا ہے۔ بلکہ خود فقیہ جانتا ہے کہ اس کے بکثرت فتاویٰ حکمِ واقعی کے موافق نہیں ہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ فقہاء کے فتووں میں اختلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام کے تمام فتاویٰ حکمِ واقعی کے مطابق تو نہیں ہوسکتے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے صرف ایک ہی حکم، حکمِ واقعی کے مطابق ہوسکتا ہے۔ اور مجتہد اگرچہ اس غلطی میں معذور ہے لیکن غلطی تو بہرحال ہمیشہ غلطی ہی رہے گی۔

اور اس غلطی کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکمِ واقعی پر عمل سے جو حقیقی فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے مکلف محروم رہتا ہے۔ اور بہت سے نقصانات سے دوچار ہوتا ہے جن سے بچنا ممکن ہی نہیں ہے۔ درست حکم تک نہ پہنچنے کے سلسلہ میں فقیہ کا عذر خواہ کتنا ہی معقول ہو، مکلف کا نقصان بہرحال یقینی ہے۔ کیونکہ یہ معقول عذر فقیہ کو تو آخرت میں عذابِ الٰہی سے بچا سکتا ہے لیکن حکمِ واقعی کی تعمیل سے حاصل ہونے والے جن فوائد سے مکلف محروم رہا ان کا ازالہ تو کسی بھی قیمت پر نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بات اپنی جگہ پر طے شدہ ہے کہ خداوندِ عالم نے جن احکام کو اپنے بندوں پر واجب (یا حرام) کیا ہے ان کے کرنے میں ایسی حقیقی مصلحتیں رکھی ہیں جن کو بندے تو نہیں جانتے مگر خدا جانتا ہے کہ ان پر عمل کرنے سے میرے بندوں کو کیا انفرادی اور اجتماعی فوائد حاصل ہوں گے۔

اور فقیہ کی غلطی کا سب سے پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ خطا کرنے والا فقیہ آخرت میں معذور ہوتا ہے لیکن اس کے فتویٰ پر عمل کرنے والے لوگ حقیقی احکامِ الٰہی پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے دنیا میں ان احکام کے فوائد سے اور آخرت میں تکاملِ روحی و نفسی سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان نقصانات کے شکار ہو جاتے

ہیں جو احکامِ واقعی کو ترک کر دینے سے مرتب ہوتے ہیں۔ اور ان دونوں باتوں (احکامِ واقعی پر عمل کرنے کے فوائد اور ترک کرنے کے نقصانات) کا اثر بندوں پر بہرحال پڑتا ہے۔ مجتہد کی غلطی کی وجہ چاہے کچھ ہو ان مصالح کے فوت ہونے اور نہ کرنے کے نقصانات کا مکلّف کی معذوریت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یعنی مکلّف چاہے معذور ہو پھر بھی نہ کرنے کے نقصانات اور اگر کر لیتا تو اس کے فوائد بہرحال اس کو حاصل ہوتے۔

مثلاً ایک جاہل نہ جانتے ہوئے غلطی سے زہر کھالے تو وہ مر جائے گا اگرچہ وہ معذور ہے اور اس کا یہ فعل خودکشی بھی نہیں ہے اور خدا اس فعل پر عذاب بھی نہیں کرے گا مگر ان سب باتوں کے باوجود زہر کا اثر (یعنی موت) تو ہر قیمت پر مرتب ہوگا۔ یہی صورت احکامِ الٰہی کی بھی ہے کہ غلط فتویٰ پر عمل کرنے کی وجہ سے عند اللہ معذور تو ہے مگر اس غلط فتویٰ پر عمل کرنے کی وجہ سے مرتب ہونے والے نقصانات اور حکمِ واقعی پر عمل کرنے کے فوائد سے محرومیت تو بہرحال مرتب ہوگی۔

پس مجتہد کا یقین چاہے جتنا حجّت ہو لیکن احکامِ الٰہی کی مطابقت کے سلسلہ میں بہرحال ظنی ہے۔ اسی لیے (عدمِ مطابقت کی صورت میں) مکلفین کی بہت سی دُنیوی اور اُخروی مصلحتوں کو فوت کرا دینے والی شے ہے۔

ہم یہاں پر زیادہ ٹھہرے بغیر ایک بہت ہی حساس سوال کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اور وہ سوال یہ ہے:

یہ مانتے ہوئے کہ خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے اور اپنے بندوں پر رحم کرنا اس نے اپنے اوپر لازم قرار دے لیا ہے۔ کیا خدا کے لیے یہ ممکن ہے کہ رسولِ خداؐ کے بعد اپنے بندوں کو یوں ہی چھوڑ دے اور ان کے لیے کوئی ایسی

واضح دلیل معین نہ کرے جو ان کو کسی انحراف یا خطا یا شک یا تردید کے بغیر حقیقی احکام تک پہنچاتی ہو؟ جیسا کہ اس نے اپنے نبیؐ کے زمانہ میں رسولِ اکرمؐ کی صورت میں رسولؐ کو واضح دلیل قرار دیا تھا کہ مسلمانوں کو آنحضرتؐ کے زمانہ میں جب بھی کسی معاملہ میں شک ہوتا تھا یا کسی مشکل سے دوچار ہوتے تھے تو فوراً اپنے رسولؐ کی طرف رجوع کرتے تھے اور رسولؐ بغیر کسی شک و تردید یا ابہام کے خدا کا حکمِ حقیقی بیان کر دیتے تھے۔

تو کیا رسولؐ کے بعد خدا نے ایسی کوئی شخصیت معین نہیں کی؟ بلکہ رسولؐ کے بعد مسلمانوں کو شکوک و شبہات اور احتمالات و مخالفات کے تھپیڑوں کے درمیان یوں ہی حیران و سرگرداں چھوڑ دیا گیا؟ اور ان کے لیے کوئی ایسا صاف و شفاف چشمہ نہیں چھوڑا گیا جس سے وہ احکامِ حقیقی کو معلوم کر سکتے؟ حالانکہ

وسعت رحمتہ کل شیئٍ۔ (اس کی رحمت تمام چیزوں پر چھائی ہوئی ہے)

ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسے آراء و ایسے اجتہادات کے حوالہ کر دے جو کبھی تو حق تک پہنچاتے ہیں اور اکثر غلط ہوتے ہیں؟

اس سوال کا جواب ہم اپنے قاری پر چھوڑتے ہیں کہ ایسا ممکن ہے یا نہیں؟ ہمارے قاری خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں اور جواب دے سکتے ہیں۔

(۳) کیا اسلام نے بعد میں آنیوالی نسلوں کے لیے سنتِ نبویؐ تک پہنچنے کا کوئی راستہ کھولا ہے؟

نص کے مقابلہ میں اجتہاد:

رسولِ خداؐ کے بعد اس اجتہاد کی حجیت میں چاہے کچھ بھی کہا جائے

اور اس طریقہ کو چاہے جتنا بھی صحیح مانا جائے لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ اجتہادُ رائے اس کی صورت شکل چاہے جیسی بھی ہو، نص شرعی کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی اجتہاد ہو نص کے مقابلہ میں وہ بے قیمت ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ کسی بھی حکم شرعی کے لیے جب نص جلی و واضح ہو تو مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس وقت اجتہاد کا موضوع باقی نہیں رہتا کیونکہ اجتہاد کی جو تعریف کی گئی وہ خود نفس کلمہ سے معلوم ہو جاتی ہے اور وہ تعریف یہ ہے: حکم شرعی یا وظیفۂ شرعیہ حاصل کرنے کے لیے امکانی کوشش کرنا۔ لہٰذا جب حکم شرعی نصِ جلی اور نصِ واضح سے معلوم ہو تو پھر وہاں اجتہاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جب حکم معلوم ہے تو پھر اجتہاد کس لیے؟ اسی لیے مسلمانوں نے متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ نص کی جگہ پر اجتہاد باطل ہے۔

نص سے ہماری مراد وہ مصدرِ شرعی ہے جو یقینی طور سے ایسے حکمِ الٰہی کے بیان کرنے کی ضمانت دے جس میں نہ کوئی خطا ہو، نہ انحراف ہو، نہ شک ہو نہ تردید ہو، جیسے قرآن مجید اور صحیح سنّتِ نبویؐ۔

پس اگر رسولِ خداؐ کے بعد اس قسم کا کوئی مصدر ہو تو پھر یقینی طور سے نہ اجتہاد کی کوئی ضرورت ہے نہ رائے کی۔

اب جبکہ یہ صورتِ حال واضح ہو گئی تو ہم خدا کے بھروسہ پر اور اس سے مدد چاہتے ہوئے اپنے قاری کے سامنے اس حقیقت کو بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آیا خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کے بعد قیامت تک کے لیے مسلمانوں کے سامنے کوئی ایسا نمونہ پیش کیا ہے کہ جس کی طرف مسلمان اپنے دینی و دنیاوی امور میں رجوع کر سکیں یا مسلمانوں کو ان کی رائے اور ان کے اجتہاد کے حوالہ کر دیا ہے؟

اسی طرح آیا کتابِ خدا اور وفاتِ رسولؐ کے بعد سنتِ نبویؐ حاصل کرنے کے لیے کوئی دروازہ خدا نے مسلمانوں کے لیے کھولا ہے کہ مسلمان جب چاہیں اس کی طرف رجوع کریں یا ایسا کوئی دروازہ نہیں کھولا ہے؟ اور خود حضرت رسولؐ نے کیا اپنے بعد کے لیے کوئی ایسی علامت معین کر دی ہے اور کیا ایسا کوئی دروازہ کھول دیا ہے جس کے ذریعہ مسلمان شریعت الٰہی تک پہنچ سکیں یا آنحضرتؐ کے بعد سنتِ نبویؐ کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا ہے؟ اور اب مسلمانوں کے پاس سوائے روایات کے کوئی ذریعہ نہیں رہ گیا ہے؟

روایات کی حالت کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں کہ اس میں کچھ ایسی مشکلات اور پیچیدگیاں ہیں کہ اکثر اوقات ان روایات کی طرف رجوع کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

آئندہ آنے والی بحثوں میں ہم اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

اہلِ بیتؑ کی اِمامت

میں چاہتا ہوں ایک سرسری نظر سیرت وسنتِ رسولؐ پر بھی ڈالتا چلوں تاکہ انسان مطمئن ہوجائے کہ آنحضرتؐ خدا کی طرف سے مامور تھے کہ اپنے بعد امّت کے لیے اپنے اہلِ بیتؑ کو اپنا خلیفہ وجانشین معین کردیں تاکہ امت اپنے دینی ودنیاوی امور میں ان کی طرف رجوع کرے۔

رسول مقبولؐ اس واسطے کہ امّت آپ کے بعد دینی ودنیاوی امور میں اہلِ بیتؑ کی جانب رجوع کرے زندگی بھر کوشاں رہے اور اس مقصد کے لیے امت کو آمادہ کرنے کے سلسلہ میں حتی الامکان سعی فرمائی۔ آپؐ اس مقصد کے لیے بھی کوشاں رہے کہ اپنے اہلِ بیتؑ میں سے حضرت علیؑ کو یہ کام سپرد کردیں تاکہ حضرت علیؑ تمام مسلمانوں کے مرجع وماویٰ بن جائیں اور امت ان کے ذریعہ سے دین کی معرفت حاصل کرسکے، جن چیزوں کے بارے میں شک وشبہ کا شکار ہو ان کے بارے میں معلومات حاصل کرسکے اور جو بات امت کو معلوم نہ ہو اس کو حضرت علیؑ سے معلوم

کر سکے اور سنتِ رسولؐ کو آپؐ سے حاصل کر سکے۔ اس مقصد کے لیے آنحضرتؐ نے متعدد مرتبہ امت کو اہلِ بیتؑ کی طرف رجوع کرنے کا حکم بھی دیا۔ اور جب آپؐ کی وفات کا زمانہ قریب آگیا تو آپؐ نے اس سلسلہ میں انتہائی کوشش بھی کر ڈالی [1]

اس رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ اس میں ان تمام احادیث کا اور ان تمام عملی اقدامات کا ذکر کر سکیں کہ کن کن مواقع پر رسولؐ نے امت کو اہل بیتؑ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ البتہ ہم کچھ ایسے نمونے ضرور ذکر کریں گے جن سے ہمارے مقصد پر روشنی پڑتی ہے تاکہ آیۂ تطہیر کے بارے میں ہم جو گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس سے اس کی تائید ہو سکے۔

(۱) حدیثِ ثقلین

بہت سی روایات میں اس حدیث کا ذکر آیا ہے اور ائمہ حدیث و تفسیر و تاریخ نے اس کو مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس حدیث کو ایک سے زیادہ مرتبہ ارشاد فرمایا ہے۔ اب ہم حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کر رہے ہیں جو بعض روایات میں وارد ہوئے ہیں:

"أیها الناس انما انا بشر أوشك أن أدعی

فأجیب و أنی تارك فیكم الثقلین ما ان

---

[1] اپنی وفات سے تقریباً سوا دو مہینہ پہلے غدیر خم میں اس امر کا مجمع عام میں اعلان فرمایا اور رحلت سے چند دن پہلے قلم و کاغذ مانگا تاکہ امت کے لیے نوشتہ لکھ دیں یہ اور بات ہے کہ لوگوں نے لکھنے نہ دیا۔ (مترجم)

تمسکتم بهما (او ما ان اعتصمتم بهما) لن تضلوا أبداً - وهما : کتاب الله وعترتی اهل بیتی - احدهما أثقل من الآخر ، وإنهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض - فاتقوا الله و انظروا کیف تخلفونی (اوکیف تحفظونی) فیهما (او ان اللطیف الخبیر أخبرنی انهما لن یفترقا حتی یلقیانی) فلا تسبقوهم فتهلکوا . ولا تعلموهم فانهم اعلم منکم ، وتوشکون أن تردوا علی الحوض وأسألکم حین تردون علی عن الثقلین کیف خلفتمونی فیهما فمن استقبل قبلتی وأجاب دعوتی فلیستوص بهما خیراً -

" لوگو میں بھی تمھاری طرح انسان ہوں - قریب ہے کہ مجھے (خدا کی طرف سے) دعوت ملے اور میں قبول کر لوں - میں تم لوگوں کے درمیان ثقلین چھوڑ رہا ہوں تم لوگ جب تک ان دونوں سے تمسک رکھوگے (یا جب تک تم لوگ ان دونوں کو پکڑے رہوگے) ہرگز گمراہ نہیں ہوگے اور وہ دونوں چیزیں : خدا کی کتاب اور میری عترت و میرے اہل بیتؑ ہیں - پس (ان کے بارے میں) خدا سے ڈرو اور دیکھو میرے بعد تم ان کے بارے میں کیا کرتے ہو (یا ان کی حفاظت کیسے کرتے ہو) (یا خدائے لطیف وخبیر

نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں آپس میں اختلاف نہیں
کریں گے یہاں تک کہ دونوں مجھ سے ملاقات کریں) ان
سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ان کو تعلیم دینے
کی کوشش نہ کرنا کیونکہ یہ تم لوگوں سے اعلم (زیادہ جانتے)
ہیں۔ اور قریب ہے کہ تم لوگ حوض پر میرے پاس آؤ اور
جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں تم سے ثقلین کے بارے
میں پوچھوں گا کہ تم نے میرے بعد ان دونوں سے کیا برتاؤ
کیا۔ پس جو شخص میری باتوں کو مانتا ہے اور میری دعوت
قبول کرتا ہے اس کو وصیت کی جاتی ہے کہ ان دونوں سے
خیر (کا برتاؤ) کرے۔" انتہیٰ

ہم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ بعض روایات کے مطابق ہیں۔ اگر کوئی تمام احادیث کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اس قیمتی رسالہ کو دیکھے جس کو دار التقریب[1] بین المذاہب الاسلامیہ نے اس حدیث کے سلسلہ میں شائع کیا ہے۔

یہ حدیث اپنے بعض الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۲۲ کتاب فضائل علیؑ ابن ابی طالبؑ ، سنن ترمذی ج ۲ ص ۳۰۷ ، اور سنن دارمی ج ۲ ص ۴۳۲ ، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۴ و ۱۷ اور ص ۲۶ و ۵۹ اور ج ۴ ص ۳۶۶ و ص ۳۷۱ نیز ج ۵ ص ۱۸۲ و ۱۸۹ اور خصائص نسائی ص ۳۰ ، مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۱۰۹ ، ۱۴۸ ، ۵۳۳ اور کفایۃ الطالب

---

[1] حدیث ثقلین ۔ ناشر دار التقریب ص ۶ ۔ ۹

باب اوّل ص ۱۱ "صحت خطبۂ غدیر کا بیان" میں موجود ہے۔ حافظ گنجی شافعی اپنی کتاب کفایۃ الطالب میں اس حدیث کو نقل کرلے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ قزوینی نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ نیز باب ۶۱ ص ۱۳۰ پر بھی ہے، محمد بن سعد زہری بصری نے طبقات کی ج ۴ ص ۸ پر، ابونعیم اصفہانی کی حلیۃ ج ۱ ص ۳۵۵ پر، اسد الغابہ ابن اثیر جزری ج ۲ ص ۱۲ اور ج ۳ ص ۱۴۷، عقد الفرید ج ۲ حجۃ الوداع کے روز رسولؐ کے خطبہ کے ضمن میں ص ۲۴۶ و ۱۵۸، تذکرہ الخواص باب ۱۲ ص ۳۲۲ میں ابن جوزی اپنے دادا کے اس قول: اس کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور ترمذی نے بھی اسے نقل کیا ہے اور رزین نے جمع بین الصحاح میں ذکر کیا ہے۔ کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: بڑے تعجب کی بات ہے کہ صحیح مسلم میں زید بن ارقم کی حدیث میرے دادا کی نظروں سے کیونکر اوجھل رہی۔ اسی طرح اس حدیث کو نورالدین حلبی شافعی نے انسان العیون ج ۳ ص ۳۰۸ پر ذخائر العقبیٰ ص ۱۶، عزیزی شافعی کی سراج منیر میں، سیوطی کی شرح جامع صغیر ج ۱ ص ۳۲۱ پر اور اسی کے حاشیہ پر محمد حنفی نے بھی لکھا ہے۔ ابن صباغ مالکی کی فصول مہمۃ ص ۲، شہاب الدین خفاجی کی نسیم الریاض ج ۳ ص ۴۱۰ اور اس کے حاشیہ پر علی القاری کی جو شرح شفا ہے اس میں، مسند احمد حنبل کے حاشیہ پر جو منتخب کنزالعمال ہے اس کے ج ۱ ص ۹۶ اور ص ۱۰۱ پر اور ج ۲ ص ۳۹۰ و ج ۵ ص ۹۵ پر، ثعلبی نے آیہ اعتصام کی جو تفسیر اپنی کتاب کشف و بیان میں کی ہے اس کی ج ۳ ص ۱۸، تفسیر نظام میں آیہ اعتصام کے ضمن میں ج ۱ ص ۳۵۷، اور ج ۴ تفسیر آیہ مودۃ کے ذیل میں ص ۹۴، اسی طرح سنفرغ لکم ایہا الثقلان کی تفسیر کرتے ہوئے ص ۲۱۲ پر، ابن کثیر دمشقی نے تفسیر آیہ مودۃ کے

ذیل میں ج ۴ ص ۱۱۳ اور تفسیر آیۂ تطہیر کے ذیل میں ج ۳ ص ۴۸۵ پر ذکر کیا ہے۔

اسی طرح درج ذیل کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے:

(۱) ——— تاریخ ابن کثیر ج ۵ یا ج ۶ حدیثِ غدیر کے ضمن میں۔

(۲) ——— المواہب العلیہ۔ حسین کاشفی۔ تفسیر آیت سنفرغ لکم ایھا الثقلان کی تفسیر میں۔

(۳) ——— نہایۂ ابن اثیر جزری ج ۱

(۴) ——— درمنثور سیوطی ص ۱۵۵

(۵) ——— لسان العرب ج ۶ ضمن لغت العترۃ اور ج ۱۳ ذیل لغت ثقل وجبل

(۶) ——— قاموس۔ مجدالدین شیرازی۔ لغت ثقل کے ذیل میں۔

(۷) ——— منتھی الارب لغت ثقل کے ذیل میں

(۸) ——— شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۶ ص ۱۳۰ عترت کے معنی بیان کرتے ہوئے۔

(۹) ——— مدارج النبوۃ عبدالحق دہلوی ص ۵۲۰

(۱۰) ——— مناقب مرتضویہ محمد صالح ترمذی کشفی ص ۹۶، ۱۰۰، ۴۷۲

(۱۱) ——— مفتاح کنوز السنۃ ص ۲ اور ۴۴۸

(۱۲) ——— مصابیح السنۃ۔ الامام البغوی الشافعی ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۶

(۱۳) ——— ابن حجر صواعق محرقہ میں ص ۷۵، ۸۷، ۹۹، ۹۰، ۱۳۶

(۱۴) ——— اسعاف الراغبین برحاشیہ نورالابصار شبلنجی ص ۱۱۰

(۱۵) ——— ینابیع المودۃ ص ۱۸، ۲۵، ۳۰، ۳۲، ۳۴، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۹۹، ۲۳۰، ۲۳۸، ۳۶۱

(۱۶) ——— اور علامہ کبیر مجدد مذہبِ شیعہ میر حامد حسین ہندی نے بارہویں صدی ہجری سے لے کر تیرہویں صدی ہجری تک کے تقریباً دو سو (۲۰۰) اکابر علماء مذاہب سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور صحابہ وصحابیات میں سے تیس سے نقل کیا ہے اور ان تیس کے تیس نے اس حدیث کو رسولِ خدا[ص] سے نقل کیا ہے۔ [1]

اس حدیث سے چند امور کا استفادہ ہوتا ہے:

(۱) : رسولِ خدا[ص] نے اہلِ بیت[ع] کو صنو القرآن (قرآن کا ساتھی) قرار دیا ہے جو حوضِ کوثر تک جدا نہ ہوں گے۔

(۲) : دونوں سے تمسک کو گمراہی سے بچے رہنے کی دلیل قرار دیا ہے۔

(۳) : امت کو وصیت فرمائی ہے کہ دونوں سے تمسک کریں اور مضبوطی سے وابستہ رہیں۔

(۴) : مسلمانوں کو وصیت کی ہے کہ اہل بیت[ع] سے قول وفعل میں سبقت نہ کریں، ان کو تعلیم دینے کی کوشش نہ کریں کیونکہ وہ امت سے اعلم ہیں۔

اس سے عصمتِ اہل بیت[ع] بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یہی حضرات رسولِ خدا[ص] کے خلیفہ وجانشین ہیں اور مسلمانوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حکم دیا ہے کہ مسلمان حلال و حرام، حدودِ الٰہی واحکامِ الٰہی میں صرف انھیں کی طرف رجوع کریں۔

---

[1] ہم نے زیادہ تر حوالہ جات علامہ امینی[رح] کی کتاب الغدیر سے نقل کیے ہیں۔

(۲) حدیثِ سفینہ

حنش کنانی کہتے ہیں:

"میں نے ابوذرؓ کو کعبہ کا دروازہ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے سُنا ہے: اے لوگو جو مجھ کو پہچانتا ہے پس میں وہی ہوں جس کو تم پہچانتے ہو اور جو مجھے نہیں جانتا تو میں ابوذرؓ ہوں میں نے رسولِ خداؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے:

"مثل اھل بیتی مثل سفینۃ نوح، من رکبھا نجا و تخلف عنھا غرق"

"میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتیٔ نوحؑ کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پاگیا اور جو الگ رہا وہ ڈوب گیا۔"

حاکم نے مستدرک الصحیحین ج ۲ ص ۳۴۳ میں کہا ہے یہ روایت صحیح ہے اور مسلم کے شرط پر پوری اترتی ہے۔

اس حدیث کو درج ذیل علماء نے لکھا ہے:

(۱) ——— حاکم نے مستدرک کے ج ۳ ص ۱۵۰ پر حنش کے واسطہ سے تحریر کیا ہے۔

(۲) ——— علی متقی ہندی نے کنز العمال ج ۶ ص ۲۱۶ میں اسی واسطہ سے نقل کیا ہے۔

(۳) ——— ہیثمی نے مجمع ج ۹ ص ۱۶۸ پر اس کی روایت کی ہے۔

(۴) ——— ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۶ پر بسند خود سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور

اسی طریق سے ہیثمی نے مجمع ج ۹ ص ۱۶۸ پر ذکر کیا ہے۔

(۵) ——— محب الدین نے ذخائر العقبیٰ ص ۲۰ پر اسی واسطے سے نقل کیا ہے۔

(۶) ——— متقی ہندی نے کنز العمال کی ج ۶ ص ۲۱۶ پر لکھا ہے۔

(۷) ——— خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ج ۱۲ ص ۱۹ پر انس بن مالک کے حوالہ سے اس کو لکھا ہے۔

(۸) ——— سیوطی نے درمنثور میں واذ قلنا ادخلوا ھٰذہ القریۃ فکلوا منھا... الخ کی تفسیر میں ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے۔

(۹) ——— کنز العمال میں بھی ج ۶ ص ۲۵۰ پر حضرت علیؑ کے حوالے سے منقول ہے۔

(۱۰) ——— ہیثمی نے مجمع کی ج ۹ ص ۱۶۸ پر ابو سعید خدری کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔

(۱۱) ——— محب الدین طبری نے ذخائر عقبیٰ کے ص ۲۰ پر حضرت علیؑ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

(۱۲) ——— مناوی نے کنوز الحقائق کے ص ۱۳۲ پر لکھا ہے۔ ؎

(۳) حدیثِ مدینہ

حذیفہ نے حضرت علیؑ سے مرفوعاً ؎ الی رسول اللہؐ روایت کی ہے:

؎ یہ حدیث درج بالا اسانید کے ساتھ کتاب فضائل الخمسہ فی صحاح الستہ ج ۲ ص ۵۷-۵۸ میں موجود ہے۔

؎ شیعہ محدثین کے نزدیک مرفوعاً حدیث اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلۂ سند (باقی اگلے صفحہ پر)

"(اے علیؑ) میں شہرِ علم ہوں اور تم اس کا دروازہ ہو۔ جو شخص یہ خیال کرے کہ دروازے کے بغیر شہر تک پہنچ جائے گا وہ جھوٹا ہے۔"

حرث و عاصم نے حضرت علیؑ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا:

"میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ۔ اور گھروں میں دروازے کے بغیر داخل نہیں ہوا جا سکتا۔"

ایک اور حدیث میں اس طرح ہے:

"میں شہرِ علم ہوں اور تم اس کا دروازہ جو آدمی شہر میں دروازے کے بغیر داخل ہونے کا خیال کرے وہ جھوٹا ہے۔"

ابنِ عباس نے حضرت رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ جو علم حاصل کرنا چاہے وہ دروازے سے آئے۔"[1]

اس حدیث کو درج ذیل علماء نے لکھا ہے:

(۱) ——— حاکم نے مستدرک میں ج ۳ ص ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸

(۲) ——— ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں ج ۳ ص ۳۵۸

(۳) ——— خطیب نے تاریخ بغداد میں ج ۲ ص ۳۷۷

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے پیوستہ) معصومؑ تک پہنچتا ہو۔ خواہ وہ سلسلہ سند متصل ہو یا درمیان میں کہیں کسی راوی کا نام ساقط ہو جانے کی وجہ سے منقطع ہو جائے (ناشر)

[1] الغدیر ج ۶ ص ۷۸

(۴) ——— ذھبی نے تذکرہ میں ج ۴ ص ۲۸ پر اس حدیث کے بعد کہا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(۵) ——— خوارزمی نے مناقب میں ص ۴۹

(۶) ——— ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں ج ۴ ص ۲۲

(۷) ——— محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السؤول میں ص ۲۲

(۸) ——— سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں ص ۲۹

(۹) ——— گنجی شافعی نے کفایہ میں ص ۹۸ - ۱۰۲

(۱۰) ——— محب طبری نے ریاض النضرۃ میں ج ۱ ص ۱۹۷ اور ذخائر العقبیٰ ص ۷۷ پر

(۱۱) ——— حافظ شمس الدین بن احمد ذہبی نے تذکرۃ الخواص میں ج ۴ ص ۲۸

(۱۲) ——— ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ص ۱۱۴

(۱۳) ——— ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں ج ۷ ص ۳۳۷ پر لکھا ہے کہ لسان المیزان میں ہے: مستدرک الحاکم میں یہ حدیث بہت سے طریقوں سے منقول ہے۔ اور اس سے کم از کم یہ بات تو ثابت ہی ہوتی ہے کہ یہ حدیث اصل و معتبر ہے۔

(۱۴) ——— ابن صباغ مالکی نے فصول المہمۃ میں ص ۱۸

(۱۵) ——— بدر الدین بن محمود بن احمد حنفی نے عمدۃ القاری میں ج ۷ ص ۶۳

(۱۶) ——— سیوطی نے جامع الصغیر میں ج ۱ ص ۳۷۴ - لے

لے ان تمام مصادر کو ہم نے الغدیر ج ۱ ص ۶۱ - ۷۷ سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے بے شمار مصادر سے آگاہی کے لیے الغدیر کا دیکھنا بہت مناسب ہے

اس حدیث کو کئی ائمہ حدیث نے صحیح بتایا ہے اور ان علماء کا تذکرہ شیخ عبدالحسین امینی نے اپنی کتاب الغدیر میں کیا ہے ۔ [1]

اس مضمون کی کچھ احادیث جو رسول خداؐ سے مروی ہیں اور بھی ہیں جن کو علامہ امینیؒ نے الغدیر میں لکھا ہے اور ہم وہیں سے نقل کر رہے ہیں ۔ [2]

(۱) ——— انا دار الحکمۃ وعلیٌّ بابھا ۔ [3]

"میں دارِ حکمت ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ۔"

(۲) ——— انا دار العلم وعلیٌّ بابھا ۔ [4]

"میں دار العلم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں ۔"

(۳) ——— انا میزان العلم وعلیٌّ کفتاہ ۔ [5]

"میں علم کی ترازو ہوں اور علیؑ اس کے دونوں پلڑے ۔"

(۴) ——— علی باب علمی ومبین لامتی ما ارسلت بہ

---

[1] الغدیر ج ۶ ص ۷۸

[2] الغدیر ج ۶ ص ۸۰

[3] اس کو ترمذی نے اپنی صحیح ج ۲ ص ۲۱۴ میں ، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء کے ج ۱ ص ۶۴ پر ، بغوی نے مصابیح السنۃ کے ج ۲ ص ۲۷۵ پر لکھا ہے ۔ ان کے علاوہ تقریباً ۶۰ حفاظ حدیث وائمہ حدیث نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے الغدیر ج ۶ ص ۸۰ ۔

[4] طبری نے ذخائر العقبیٰ کے ص ۷۷ پر تحریر فرمایا ہے کہ بغوی نے اس حدیث کو مصابیح السنۃ میں لکھا ہے اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی لکھا ہے ملاحظہ ہو الغدیر ج ۶ ص ۸۰

[5] دیلمی نے فردوس الاخبار میں ابن عباس سے سنداً روایت کی ہے اور پھر ان کی ایک جماعت نے اتباع کی ہے اور ان کے حوالہ سے لکھا ہے جیسے عجلونی نے کشف الخفاء کے ج ۱ ص ۲۰۴ پر اور دوسروں نے بھی لکھا ہے ۔ ملاحظہ ہو الغدیر ج ۶ ص ۸۰

من بعدی۔ ۱؎

"علیؑ میرے علم کا دروازہ ہیں اور جن چیزوں کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اس کو میرے بعد بیان کرنے والے ہیں۔"

(۵) —— یا ام سلمة اشهدی واسمعی هذا علی امیر المومنین وسید المسلمین وعیبة علمی (وعاء علمی) وبابی الذی اوتی منه۔ ۲؎

"اے امّ سلمہ گواہ رہو اور سنو۔ یہ علیؑ امیر المومنین ہے۔ سید المسلمین ہے، میرے علم کا ظرف ہے اور میرا وہ دروازہ ہے جس سے داخل ہوا جاتا ہے۔"

المناوی نے فیض القدیر کی جلد ۴ ص ۳۵۶ پر لکھا ہے:

"علی عیبة علمی۔"

"علیؑ میرے علم کے ظرف ہیں" اس کا مطلب ہے میری خصوصیات کے مرکز ہیں، میرے خاص الخاص ہیں۔ میرے رازوں کے مرکز ہیں۔ میری قیمتی چیزوں کے معدن ہیں۔ (عیبة اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں انسان اپنی نفیس وقیمتی چیزوں

۱؎ متقی نے اس حدیث کو کنز العمال کے ج ۶ ص ۱۵۶ پر نقل کیا ہے اور سیوطی نے اپنی کتاب الکنز الجلی فی فضائل علیؑ میں ۳۸ ویں حدیث قرار دی ہے۔ الغدیر ج ۶ ص ۸۰

۲؎ اس حدیث کو ابو نعیم نے اور خوارزمی نے مناقب میں اور رافعی نے تدوین میں گنجی شافعی نے مناقب میں، حموی نے فرائد السمطین میں محمد حنفی نے شرح جامع الصغیر میں لکھا ہے۔ الغدیر ج ۶ ص ۸۰، ۸۱

کو محفوظ رکھتا ہے۔

ابن درید نے کہا ہے:

"رسول خداؐ کا یہ مختصر کلام ہے جس کی مثال نہیں ملتی اور رسولِ خدا کا مطلب یہ ہے کہ علیؑ میرے امورِ باطنی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ میرے باطنی امور علیؑ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ حضرت علیؑ کی مدح کی انتہا ہے۔ [1]

اس قسم کی حدیثوں میں یہ بات کہی گئی ہے کہ حضرت علیؑ رسولؐ کے علم کا دروازہ ہیں اور واضح سی بات ہے کہ جو شخص گھر میں آئے گا وہ دروازے ہی سے آئے گا اور حکم قرآن بھی ہے:

"گھروں میں دروازوں کے علاوہ کسی اور راستہ سے نہ آؤ۔" (سورۂ بقرہ ۲ آیت ۱۸۹)

اور ان حدیثوں میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علیؑ علم رسولؐ کے مخزن اور اس کے سمجھنے اور درک کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد امت کو حکم دیا ہے کہ میرا علم اور میری سنّت علیؑ سے حاصل کرو۔

ان حدیثوں میں سے اگر سب نہ بھی ہوتیں بلکہ بعض ہی ہوتیں تب بھی وہ صاحبانِ عقل کے لیے کافی تھیں اور یہ روایات اس بات پر بہت ہی واضح دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے اہلِ بیتؑ کو اپنے بعد کے لیے مصدر احکام بنایا ہے تاکہ لوگ ان سے دینِ الٰہی اور سنّتِ رسولؐ حاصل کریں۔

---

[1] الغدیر ج ۶ ص ۸۱

④ دوسری حدیثیں

① آنحضرتؐ کا ارشاد ہے :

"ستارے اہلِ زمین کے لیے تفرقے سے امان ہیں اور میرے اہل بیتؑ میری امت کے لیے اختلاف سے امان ہیں۔ اگر کوئی عرب کا قبیلہ میرے اہل بیتؑ کی مخالفت کرے گا تو خود ان میں اختلاف ہو جائے گا اور وہ لوگ ابلیس کے گروہ سے ہو جائیں گے۔"[1]

حاکم نے کہا ہے : یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

② سرکارِ رسالتؐ کا ارشاد ہے :

"علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے ان میں اختلاف نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس آئیں۔"[2]

حاکم نے کہا ہے : یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

③ حاکم نے مستدرک میں زید بن ارقم سے روایت کی ہے :

"رسولِ خداؐ نے فرمایا : جو میری طرح زندہ رہنا چاہتا ہے اور میری موت مرنا چاہتا ہے اور اس جنت الخلد میں رہنا چاہتا ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے تو وہ علیؑ ابن ابی طالبؑ سے محبت رکھے اس لیے کہ (حضرت)

---

[1] مستدرک الصحیحین ج ۳ ص ۱۴۹

[2] مستدرک الصحیحین ج ۳ ص ۱۲۴

علیؑ تو تم کو ہدایت سے خارج کریں گے اور نہ گمراہی میں داخل کریں گے۔" [1]

حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(۴) طبرانی نے الکبیر میں اور الرافعی نے اپنی مسند میں ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

"جس شخص کو میری زندگی پسند ہو اور میری موت مرنا چاہتا ہو اور اس باغ عدن میں رہنا چاہتا ہو جس کو میرے خدا نے لگایا ہے اس کو چاہیئے میرے بعد علیؑ کی ولایت کا قائل ہو اور علیؑ کے دوست کو دوست رکھے اور میرے بعد میرے اہل بیتؑ کی پیروی کرے۔ کیونکہ میرے اہل بیتؑ (ہی) میری عترت ہیں جن کو میری طینت سے خلق کیا گیا ہے۔ جن کو میرا فہم اور میرا علم عطا کیا گیا ہے۔ میری امت کے ان لوگوں پر افسوس ہو جو ان کی فضیلت کو جھٹلاتے ہیں اور ان کے بارے میں میرے صلہ (رحم) کو قطع کرتے ہیں خدا ان کو میری شفاعت نصیب نہ کرے۔" [2]

---

[1] مستدرک الصحیحین ج ۳ ص ۱۲۸ علامہ شرف الدین موسویؒ نے اپنی کتاب "المراجعات" (اردو ترجمہ مذہب اہل بیتؑ) میں ص ۲۷ پر کنز العمال کی حدیث نمبر ۲۵۷۷ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے۔

[2] علامہ شرف الدین موسویؒ نے یہ روایت اپنی کتاب "المراجعات" میں نقل کی ہے اور فرمایا ہے اس حدیث کے الفاظ بعینہ وہی ہیں جو کنز العمال کی ج ۶ کے ص ۲۱۷ پر (باقی اگلے صفحہ پر)

(۵) الباوردی، ابن جریر، ابن شاہین، ابن مندہ (وغیرہ) نے اسحاق کے واسطے سے زید بن مطرق سے روایت کی ہے کہ زید بن مطرق کہتے ہیں :

"میں نے رسول خدا (ص) کو فرماتے ہوئے سنا : جس کو میرے جیسی زندگی اور میرے جیسی موت اور اس جنت میں رہنا محبوب ہو جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور وہ جنت جنت الخلد ہے تو اس کو چاہیے کہ علی (ع) اور ان کے بعد ان کی ذرّیت سے محبت رکھے کیونکہ یہ لوگ نہ تم لوگوں کو ہدایت سے خارج کریں گے اور نہ ہرگز ہرگز گمراہی کے دروازے میں داخل ہونے دیں گے۔" [1]

(۶) رسول خدا (ص) نے فرمایا :

"میری امت کی ہر نسل میں میرے اہل بیت (ع) کے کچھ عدول افراد ہوں گے جو اس دین سے گمراہوں کی تحریفات اور باطل پرستوں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ سے پیوستہ) حدیث نمبر ۲۸۱۹ کے ہیں۔ نیز اس روایت کو منتخب الکنز میں بھی روایت کیا ہے۔ اور حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے اور ان کے حوالہ سے علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ مطبوعۂ مصر کے ج ۲ ص ۴۵۰ پر نقل کیا ہے اور پھر اس حدیث کو ص ۴۴۹ پر احمد بن حنبل کے مسند اور کتاب مناقب علی ابن ابی طالب (ع) کے حوالہ سے (دوبارہ) نقل کیا ہے۔

[1] علامہ شرف الدین (رح) نے المراجعات کے ص ۲۶ پر اس کو ذکر کر کے فرمایا ہے : یہ وہی حدیث ہے جو کنز العمال کے ج ۶ ص ۱۵۵ پر حدیث ۲۵۷۸ کے ذیل میں ذکر ہے اور منتخب کنز العمال میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

کی منسوب کردہ غلط چیزوں اور جاہلوں کی تاویل کی نفی کرتے رہیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ تمھارے ائمہ تمھارے وفد ہیں جو خدا کی بارگاہ میں گئے ہیں لہٰذا یہ دیکھ لو کہ تم لوگ کس کو اپنا وفد بنا کر بھیج رہے ہو۔" [1]

رسولِ خداؐ سے منقول احادیث کے سمندر میں سے ہم نے اہل بیتؑ کے بارے میں یہ چند حدیثیں نقل کی ہیں جن میں رسولِ مقبولؐ نے اہل بیتؑ ہی کو امام معین کیا ہے، لوگوں کا مرجع قرار دیا ہے کہ حلال و حرام اور حدودِ الٰہی کے بارے میں انھیں کی طرف رجوع کریں اور رسول خداؐ کے بعد ان کی سنت کو انھیں حضرات سے حاصل کریں۔

حضرت علیؑ کو امامت کے لیے تیار کرنا

حضرت رسولِ خداؐ جس طرح اپنی امت کو اس بات پر آمادہ کرنے کے حریص تھے کہ امت میرے بعد میرے اہل بیتؑ کو امام تسلیم کرلے، حدودِ خدا کی معرفت اور احکامِ الٰہی معلوم کرنے، حلال و حرام جاننے کے لیے میرے اہلِ بیتؑ کو مرجع مان لے اسی طرح آنحضرتؐ اس بات کے بھی حریص تھے کہ اپنے اہلِ بیتؑ میں سے حضرت علیؑ کو اس عظیم امر کے لیے تیار کریں، اسی لیے حضرت علیؑ کے ساتھ مخصوص عنایت فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت علیؑ کی پرورش اپنے گھر میں کی، خود ان کی تربیت فرمائی۔ بچپنے سے ہی حضرت علیؑ کی نشو و نما رسول خداؐ کے ہاتھوں میں ہوئی۔ اور حضرت علیؑ ہی وہ پہلے شخص تھے جو رسول خداؐ پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی۔

رسول مقبولؐ حضرت علیؑ کے ساتھ جس طرح پیش آتے تھے ایسا برتاؤ آپؐ کا

---

[1] علامہ شرف الدینؒ نے اس حدیث کو سیرۃ الملا اور صواعق محرقہ کے ص ۹۰ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اپنے کسی اور صحابی کے ساتھ نہ تھا۔ رسول خداؐ کا حضرت علیؑ کے ساتھ کیا برتاؤ تھا، آنحضرتؐ نے کس طرح آپؑ کی تربیت فرمائی تھی اور آپؑ کو امام المسلمین بنانے کا کیا اہتمام کیا تھا اس کو آپ خود حضرت علیؑ کی زبان سے سنیئے۔ فرماتے ہیں:

"تم لوگ رسول خداؐ سے میری قرابت قریبہ اور ان کے نزدیک میری مخصوص منزلت کو جانتے ہو۔ آپؐ میرے بچپنے میں مجھے اپنی گود میں لیتے تھے، اپنے سینہ سے چمٹاتے تھے، اپنے بستر پر اپنے پاس سلاتے تھے، آپؐ کا جسم میرے جسم سے مس ہوتا تھا، آپؐ کا پسینہ میں سونگھتا تھا، آپؐ چیزوں کو چبا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ آنحضرتؐ نے کبھی بھی مجھ کو معمولی جھوٹ بولتے نہیں پایا اور نہ میرے اعمال و افعال میں کہیں ہلکی سی بھی لغزش پائی۔ میں آپؐ کے ساتھ اس طرح چلتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اس کے ساتھ چلتا ہے۔ ہر روز آپؐ اپنے اخلاق کا ایک نمونہ مجھے تعلیم دیتے تھے اور مجھے اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ ہر سال آپؐ (غار) حرا میں جا کر قیام فرماتے تھے اور میرے علاوہ کوئی دوسرا شخص آپؐ کو دیکھ نہیں سکتا تھا اس وقت کسی گھر میں اسلام کا نام و نشان نہیں تھا صرف ایک گھر تھا جس میں حضرت رسولِ خداؐ اور حضرت خدیجہؑ اور میرے علاوہ کوئی مسلمان نہیں تھا۔ میں نورِ وحی کا مشاہدہ کرتا تھا اور خوشبوئے نبوتؐ کو سونگھا کرتا تھا۔" [1]

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ نمبر ۱۹۰ (خطبۂ قاصعہ)

اہلِ بیتؑ کے سلسلہ میں رسولِ خداؐ کی جن احادیث کا ہم نے پہلے تذکرہ کیا (اور جو سمندر میں ایک قطرہ کی مانند ہیں) ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ تمام دوسرے امور سے زیادہ اسلامی دعوت کے مستقبل کی جانب متوجہ تھے اور آپؐ نے حضرت علیؑ کو اس کام کے لیے تیار کیا تھا کہ وہی آپ کے بعد میراثِ نبوت (یعنی علم شریعت و حدودِ الٰہی) کے وارث بنیں اور اس کو مسلمانوں تک پہنچائیں۔

رسولِ خداؐ کی وہ بعض حدیثیں جو پہلے گزر چکی ہیں واضح انداز میں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ دینی امور اور حدودِ الٰہی کی معرفت کے سلسلہ میں اپنے بعد لوگوں کو اہلِ بیتؑ کی طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے اور تمام اہل بیتؑ میں سے حضرت علیؑ کے دوش پر اس بوجھ کو رکھنا چاہتے تھے۔

آیئے حضرت علیؑ کی وہ گفتگو سماعت فرمایئے جس میں آپؑ نے رسول خداؐ کے بعد سنتِ رسولؐ و حدیثِ رسولؐ اور علم رسولؐ کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور رسولؐ کے بعد آپؐ کی میراث کا حامل کون ہے؟ لوگوں کے ہاتھوں میں جو احادیثِ رسولؐ ہیں ان کی قدر و قیمت کیا ہے اور ان حدیثوں میں وہ حق بات بھی ہے جس کو رسولؐ نے فرمایا ہے اور وہ باطل باتیں بھی ہیں جو لوگوں نے آنحضرتؐ کی طرف منسوب کی ہیں۔ اس میں وہ سچی باتیں بھی ہیں جن کو رسولؐ نے ارشاد فرمایا ہے اور وہ جھوٹی حدیثیں بھی ہیں جنھیں منافقوں اور جھوٹوں نے وضع کیا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

" لوگوں کے پاس حق و باطل، جھوٹ و سچ، ناسخ و منسوخ، عام و خاص، محکم و متشابہ، حفظ و وہم سب ہی کچھ ہے۔ خود رسول خداؐ کی زندگی میں ان کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت دی گئی تھی چنانچہ آپؐ نے ایک دن اپنے خطبہ میں ارشاد

فرمایا: میری طرف جھوٹ کی نسبت دینے والوں کی کثرت ہوگئی ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (لیکن اس کے باوجود) آپؐ کے بعد بھی آپؐ کی طرف غلط باتوں کو منسوب کیا گیا۔ (سنو) تمھارے پاس جو حدیثیں آئی ہیں ان کے بیان کرنے والے اور راوی چار قسم کے لوگ ہیں:

پہلی قسم: منافقوں نے حدیث بیان کی ہے جو (حقیقت میں کافر ہیں لیکن) ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ لوگ جان بوجھ کر رسول خداؐ کی طرف جھوٹی باتوں کو منسوب کرنے سے نہ ہچکچاتے ہیں اور نہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ شخص منافق ہے اور جھوٹا ہے تو اس کی بات کبھی تسلیم نہ کرتے اور نہ اس کی تصدیق کرتے۔ لیکن وہ یہ سمجھے کہ یہ رسولِ خداؐ کا صحابی ہے آنحضرتؐ کی زیارت کی ہے ان کی حدیثوں کو سُنا ہے، ان سے روایات اخذ کی ہیں اس لیے لوگوں نے اس کی بات قبول کر لی جبکہ لوگوں کو اس کی حالت معلوم نہیں تھی۔ خدا نے منافقوں کے بارے میں خبر دے دی ہے۔ ان کے اوصاف بھی بیان کر دیے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اور جب تم ان کو دیکھو گے تو (تناسب اعضاء کی وجہ سے) ان کا قد و قامت تمھیں بہت اچھا معلوم ہو گا اور اگر وہ گفتگو کریں گے تو ایسی کہ تم توجہ سے سنو (مگر عقل سے خالی) (سورۂ منافقون ۶۳ آیت ۴)

یہ لوگ رسول خداؐ کے بعد بھی زندہ رہے اور اپنے جھوٹ و کذب بیانی وبہتان کے ذریعہ ائمۂ ضلال اور جہنم کی طرف دعوت دینے والوں سے تقرب حاصل کر لیا۔ اور ان ائمۂ ضلال نے ان منافقوں کو اچھے اچھے عہدے دیے اور ان کو لوگوں کی گردنوں پر حاکم بنا دیا۔ اور ان کے ذریعے خوب دنیا کمائی اور لوگ بھی تو بادشاہوں اور دنیا کے ساتھ ہوا کرتے ہیں۔ ہاں جس کو خدا بچالے وہ اور بات ہے۔ چار قسم کے لوگوں میں یہ پہلی قسم ہے۔

دوسری قسم: ایسے لوگوں نے روایت کی ہے جنھوں نے رسولِ خداؐ سے سُنا لیکن اس کو صحیح طریقہ سے نہ سمجھ سکے اس میں غلطی کی اور جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولا۔ وہ حدیث ان کے پاس رہی، وہ اس پر عمل کرتے رہے، اس کی روایت کرتے رہے اور کہتے رہے: میں نے رسول خداؐ سے سُنا ہے اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جاتا کہ انھوں نے اشتباہ کیا ہے تو ہرگز قبول نہ کرتے۔ بلکہ اگر خود انھیں کو پتہ چل جاتا کہ ان سے غلطی ہوئی ہے تو وہ خود ہی (ان احادیث کا بیان اور ان پر عمل کرنا) چھوڑ دیتے۔

تیسری قسم: ایسے راویوں کی ہے جنھوں نے رسول خداؐ سے کسی حکم کو سُنا۔ پھر رسولِ خداؐ نے اس حکم سے نہی کر دی۔ لیکن انھیں اس ممانعت کی اطلاع نہ ہو سکی یا انھوں نے رسولؐ کی کسی ممانعت کو سُنا۔ پھر آنحضرتؐ نے اس کا (دوبارہ) حکم

دے دیا مگر انھیں دوبارہ حکم کے بارے میں علم حاصل نہ ہو سکا چنانچہ انھوں نے منسوخ کو یاد رکھا اور ناسخ کو (اس کا علم نہ ہونے کی وجہ سے) یاد نہ رکھا۔ اگر انھیں معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ خود ہی چھوڑ دیتے اور اگر مسلمانوں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ بھی اس کو چھوڑ دیتے۔

چوتھی قسم: ایسے اشخاص کی ہے جنھوں نے رسول خداؐ پر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جھوٹ کے ہمیشہ دشمن رہے۔ خوفِ خدا ان کے دل میں رہا۔ ہمیشہ تعظیم رسولؐ کرتے رہے (جو کچھ سنا اس کو کبھی بھولے نہیں) جیسا سُنا ویسا ہی یاد رکھا اور لوگوں سے اسی طرح بے کم و کاست بیان کیا۔ ان کو ناسخ و منسوخ (دونوں) کا علم تھا (مگر) لوگوں کو صرف ناسخ بتایا اور منسوخ کو ترک کر دیا (یاد رکھو فرمانِ رسولؐ بھی قرآن کی طرح، ناسخ و منسوخ، خاص عام، محکم و متشابہ رکھتا ہے اور رسولِ خداؐ کے کلام میں بھی کبھی دو امکانات پائے جاتے تھے۔ قرآن کی طرح آپؐ کا ایک کلام عام اور ایک خاص ہوتا تھا۔ خداوند عالم کا حکم ہے: رسولؐ جس کا حکم دیں وہ کرو اور جس سے روک دیں اس کو چھوڑ دو۔ بعض لوگوں پر مرادِ خدا اور مقصودِ رسولؐ مشتبہ ہو جاتا تھا ان کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ خدا و رسولؐ کی مراد کیا ہے؟ اور نہ رسولِ خداؐ کے ہر صحابی میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ سوال کے جواب کو سمجھ لیتا۔ کچھ تو ایسے تھے جو سوال تو کر لیتے تھے مگر سمجھ نہیں پاتے تھے۔ اسی لیے اصحاب اس بات کو زیادہ پسند کرتے تھے

کہ کوئی بدو یا مسافر آجائے اور آنحضرتؐ سے سوال کرے تو ہم بھی سن لیں۔ (خطبہ ۲۰۸)

اور میں ہر روز دو مرتبہ، ایک مرتبہ دن میں اور ایک مرتبہ رات میں رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپؐ مجھ سے تنہائی میں باتیں کرتے تھے۔ جہاں آپؐ جاتے تھے میں بھی آپؐ کے ساتھ ہولیتا تھا۔ اصحابِ رسولؐ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے میرے علاوہ کسی کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا۔ اور کبھی خود رسولِ خداؐ میرے گھر تشریف لاتے تھے (بلکہ) اکثر ایسا ہوتا تھا۔ اور جب میں آپؐ کے کسی گھر میں جاتا تھا تو آپؐ سب کو ہٹا دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی بیویوں کو بھی ہٹا دیتے تھے۔ اور وہاں میرے علاوہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب آپؐ خود میرے گھر میں تشریف لاتے تھے تو نہ فاطمہؑ کو ہٹاتے تھے اور نہ میرے بیٹوں کو (امام حسنؑ و امام حسینؑ) جب میں سوال کرتا تھا تو مجھے جواب دیتے تھے اور جب میرے پاس پوچھنے کو کچھ نہیں رہتا تھا اور میں خاموش ہو جاتا تھا تو خود ابتدا فرماتے تھے۔ اسی لیے قرآن کی کوئی بھی آیت ایسی نہیں ہے کہ جب وہ اُتری ہو تو آپؐ نے اسے مجھے پڑھایا لکھایا نہ ہو۔ چنانچہ میں اس کو اپنے قلم سے لکھ لیتا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے مجھے ہر آیت کی تاویل، تفسیر، ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، خاص، عام بتا دیا تھا اور خدا سے دعا کی تھی کہ مجھے آیتوں کا فہم عطا کرے

اور مجھے تمام آیتیں یاد ہو جائیں۔ جب سے رسولِ خداؐ نے میرے لیے دعا فرمائی تھی اس وقت سے نہ تو کتابِ خدا کی کوئی آیت میں بھولا اور نہ کسی ایسے علم کو فراموش کیا جس کو آپؐ نے مجھے لکھوایا تھا۔ اور خدا نے جو بھی حلال و حرام، امر و نہی جو ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے اپنے نبیؐ کو سکھایا اور آپؐ سے پہلے جو کتاب بھی کسی نبیؑ (در رسولؑ) پر نازل ہوئی اور اس میں طاعت یا معصیت کا جو کچھ بھی ذکر تھا آنحضرتؐ نے ان سب کی مجھے تعلیم دے دی اور کوئی چیز نہیں چھوڑی مگر یہ کہ مجھے بتا دی۔ اور جو کچھ بھی آنحضرتؐ نے مجھے تعلیم دی میں نے سب کو حفظ کر لیا ایک حرف بھی نہیں بھولا۔ پھر رسولِ خدا نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھ کر خدا سے دعا فرمائی کہ میرے قلب کو علم و فہم و حکمت و نور سے بھر دے۔ پھر میں نے عرض کیا: اے خدا کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہو جائیں جب سے آپؐ نے میرے حق میں دعا فرمائی ہے میں کچھ بھی تو نہیں بھولا۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں بچی جس کو میں نے لکھ نہ لیا ہو۔ کیا آپؐ کو خوف تھا کہ بعد میں میرے اوپر نسیان طاری ہو جائے گا؟ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں مجھے نہ تو تمہارے بھولنے کا خوف تھا اور نہ جہالت کا۔"[1]

یہ بیان رسولِ خداؐ کے اس پروگرام کا مختصر خاکہ ہے جس کے تحت آپؐ چاہتے

---

[1] نہج البلاغہ

تھے کہ اہل بیتؑ کو اپنے بعد کے لیے دینی امور اور حرام وحلال کی معرفت میں لوگوں کا مرکز و مرجع بنایا جائے۔ اور اسی طرح یہ ان احادیث کا مختصر نمونہ ہے جن کے ذریعہ رسول مقبولؐ نے امت کو امامتِ اہل بیتؑ کے قبول کرنے اور آپؐ کے بعد حدیث وسنتِ رسولؐ کی معرفت کے لیے انہی حضرات کی طرف رجوع کرنے کی تاکید فرمائی۔

اسی لیے حضورِ اکرمؐ کبھی تو اہل بیتؑ کو قرآن کا ساتھی قرار دیتے ہوئے فرماتے تھے: ان دونوں (قرآن واہل بیتؑ) میں حوضِ کوثر تک کوئی اختلاف نہیں ہوگا ——— اور کبھی ان دونوں سے تمسک کو خطا وانحراف سے بچنے کی علت قرار دیتے تھے ——— اور کبھی اہل بیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی سے دیتے تھے کہ جو اس پر سوار ہوا نجات پاگیا اور جو الگ رہا ڈوب گیا اور اس کو کوئی جائے پناہ نہیں ملی ——— اور کبھی اہل بیتؑ کو ستاروں سے تشبیہ دے کر فرماتے تھے کہ میرے اہل بیتؑ میری امت کی بربادی، گمراہی، ڈوبنے اور ہلاکت سے بچانے والے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن کو نہ ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں اور نہ ہی ان کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں۔

رسولؐ کے بعد تبلیغ احکام کا جاری رہنا

اسی لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول خداؐ کی وفات کے بعد الٰہی احکام کی تبلیغ کا سلسلہ ختم نہیں ہوگیا بلکہ آپؐ کے اہل بیتؑ کے ہاتھوں سنتِ نبویؐ کی تبلیغ مسلسل ہوتی رہی جس کا اعلان مختلف عبارتوں کے ساتھ مختلف مقامات پر مختلف مناسبتوں کے ساتھ اتنی بار کیا گیا کہ اس میں شک کی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ اگر کوئی بھی انسان مذہبی اور تاریخی تعصبات کو چھوڑ کر انصاف کے ساتھ ان حدیثوں کی تحلیل وتفسیر کرے تو اس کو اس نتیجہ تک پہنچنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک

سکتی کہ رسولِ خداؐ کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ کے بعد امت اہلِ بیتؑ کی امامت کو تسلیم کرے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت علیؑ امام ہوں جو امامتِ مسلمین کا بار اپنے کاندھوں پر لیں اور لوگ حرام و حلال و دیگر امور میں ان کی طرف رجوع کریں۔

ہم نے اس قسم کی بعض حدیثوں کا ذکر کیا ہے لیکن عام طریقہ سے ان حدیثوں کو ان مفصل کتابوں کے حوالہ کر دیا گیا ہے جو اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں۔[1]

آیتِ اکمال

ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن کی یہ آیت:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔"[2]

"آج میں نے تمھارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمھارے لیے دینِ اسلام کو پسندیدہ بنا دیا ہے۔"

خاص اسی موضوع کے لیے نازل ہوئی ہے کہ اہلِ بیتؑ ہی رسولِ خداؐ کے بعد مسلمانوں

---

[1] مثلاً اس سلسلہ میں عبقات الانوار، سید حامد حسین ہندی، الغدیر، شیخ عبدالحسین الامینیؒ، المراجعات، مرحوم علامہ السید شرف الدین الموسوی، دلائل الصدق، مرحوم علامہ شیخ محمد حسن المظفر، احقاق الحق قاضی نور اللہ شوستری مدفون آگرہ ہند کا مطالعہ کرنا بہت مفید ہوگا۔

[2] سورۂ مائدہ ۵ - آیت ۳

کے دینی امور میں مسلمانوں کے امام و مرجع ہیں۔

چنانچہ جب رسول خداؐ نے غدیر خم میں اعلان فرمایا کہ میرے بعد بحکمِ خدا علیؑ ابن ابی طالب امیرالمومنین اور امام المسلمین ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے بتایا کہ اب خداوند عالم نے اپنے دین کو اپنے بندوں کے لیے کامل کر دیا اور نعمتوں کو تمام کر دیا کیونکہ علیؑ اور ان کے بعد دیگر اہلبیتؑ کو امام قرار دے دیا۔ اب لوگ دین خدا، سنتِ رسولؐ، تمام حدودِ الٰہی اور جن متشابہات کی تاویل نہ معلوم ہو وہ سب انھیں اہلبیتؑ سے حاصل کریں۔ اور انھیں کے ذریعہ مسلسل سنتِ نبویؐ کی تبلیغ ہوتی رہے گی۔ رسول خداؐ کی وفات کے بعد یہ تبلیغی سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ [له]

له بہت سے مفسرین و محدثین نے وضاحت کی ہے کہ جب غدیر خم میں رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا اور اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کر دیا اور کتاب و عترۃ کو مسلمانوں کا مرکز و مرجع قرار دے دیا تب یہ آیت اکمال نازل ہوئی ہے۔ انھیں محدثین میں الحاکم الحسکانی بھی ہیں جنھوں نے اپنی کتاب شواہد التنزیل کے ص ۱۵۷ پر اس کا ذکر کیا ہے:

"ابوسعید خدری سے روایت ہے: جب آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے فرمایا: "اکمال دین، اتمام نعمت اور خدا کا میری رسالت اور علیؑ کی ولایت سے خوش ہونے پر میں اس کی بزرگی کا اعتراف کرتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے یہ علیؑ مولیٰ ہیں خداوندا جو علیؑ کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو علیؑ کو دشمن رکھے تو اس کو دشمن رکھ، جو علیؑ کی مدد کرے تو اس کی مدد کر، جو علیؑ کی مدد نہ کرے تو اس کی مدد نہ کر۔"

نیز اسی کتاب شواہد التنزیل کے ص ۱۵۷، ۱۵۸ پر دیگر اسانید کے ساتھ بھی اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

(باقی اگلا صفحہ پر)

اہلِ بیتؑ کی عصمت اور ان کا عدم اجتہاد

ائمۂ اہل بیتؑ کی شان فقہاء و مجتہدین کی شان نہیں تھی جو کبھی مسائل میں غلطی کرتے ہیں اور کبھی صحیح حکم لگاتے ہیں بلکہ ان کے تمام احکام واقع کے مطابق ہوتے تھے کیونکہ رسول خداؐ نے ان کو اپنے بعد کے لیے اپنی حدیث و سنت کی تبلیغ کا مصدر اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے پیوستہ) حاکم نے غدیر خم کے دن روزہ رکھنے کے سلسلہ میں ابوہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑا تو فرمایا: کیا میں مومنین پر اولیٰ نہیں ہوں؟ سب نے کہا: ہاں آپؐ اولیٰ ہیں۔ اس وقت آپ نے فرمایا: جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علیؑ بھی مولیٰ ہیں۔ اس پر عمر بن خطاب نے کہا: مبارک ہو مبارک ہو ابوطالب کے فرزند آپؐ میرے اور تمام مومنین کے مولیٰ ہو گئے اور خدا نے یہ آیت نازل کی: الیوم اکملت لکم دینکم الخ۔

علامہ شیخ عبدالحسین امینیؒ نے الغدیر کے ج ۱ ص ۲۱۰ - ۲۱۷ طبع نجف میں آیت اکمال کے حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہونے کے سلسلہ میں سولہ مصادر سے وارد ہونے والی حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔ منجملہ ان کے ایک خطیب بغدادی ہیں جنھوں نے تاریخ بغداد کے ج ۸ ص ۲۹۰ پر اور ایک ابن مغازلی شافعی ہیں جنھوں نے العمدۃ کے ص ۵۲ پر اور خوارزمی نے المناقب کے ص ۸۰، ۹۴ پر اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ کے ص ۱۸ پر اور شیخ الاسلام حموینی الشافعی نے فرائد السمطین میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور جب خدا کے حکم سے حضرت علیؑ کو رسول خداؐ نے امام المسلمین کی حیثیت سے معین کیا ہے تو یہ آیت الیوم اکملت لکم دینکم۔ نازل ہوئی ہے۔ اس کو بغیر کسی استثناء کے شیعہ مفسرین و محدثین نے لکھا ہے۔

امورِ دینی کا مرجع قرار دیا تھا۔ یہ حضرات احکامِ الٰہی و سنتِ رسالت پناہی کو بغیر کسی شک شبہ یا بھول چوک کے اسی طرح امت تک پہنچاتے تھے جس طرح رسولِ خداؐ اس دین کے احکام پہنچایا کرتے تھے۔ اسی لیے یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ ہم ان کی فقہ کو "مذہب اہلِ بیتؑ" سے تعبیر کریں جیسا کہ لوگ کرتے ہیں۔ کیونکہ کلمۂ مذہب کے اندر دین فہمی میں رائے و اجتہاد کے عنصر کا داخل ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور ائمۂ معصومینؑ دین کے بارے میں رائے یا اجتہاد پر عمل نہیں کرتے تھے اور نہ ظن و گمان سے گفتگو فرماتے تھے۔ بلکہ وہ احکام الٰہی و حدودِ خدا کے بارے میں یقین و بصیرت کے ساتھ اسی طرح حکم لگاتے تھے جس طرح رسولؐ لگاتے تھے اور جس کے لیے رسولؐ نے ان حضرات کو معین کیا تھا۔ آپ اسی بحث میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان کی حدیث رسولِ خداؐ کی حدیث اور ان کا فتویٰ وہی سنتِ رسولؐ کا فتویٰ ہوتا تھا جس کو آپ حضرات مسلمانوں سے نقل کر دیتے تھے۔

اور عصمۃ فی التبلیغ (یعنی تبلیغ میں معصوم ہونا) کا یہی مطلب ہے کہ یہ حضرات قولِ رسولؐ کو بیان کرتے تھے۔ دوسرے علماء و فقہاء کی طرح اپنی رائے و اجتہاد پر عمل نہیں کرتے تھے۔ علماء اور فقہاء جو فتویٰ بھی دیتے ہیں) اور جو رائے بھی پیش کرتے ہیں وہ حکمِ خدا کے حتی الامکان گہرے مطالعہ کے بعد حاصل ہونے والی بات ہوتی ہے۔ اسی لیے کبھی نتیجہ صحیح ہوتا ہے اور کبھی غلط۔ ان کا فتویٰ یا رائے غلطی و لغزش سے پاک نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ علماء اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔

لیکن ائمۂ اہلِ بیتؑ کی کوئی ذاتی رائے نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا نے ان کو کتابِ خدا و سنتِ رسولؐ کے فہم کی جو صلاحیت عطا فرمائی ہے اور ان کو جو مخصوص علم دیا ہے وہ اسی کی بنا پر حکم دیتے ہیں۔ اسی لیے کبھی غلطی نہیں کرتے۔ اور بغیر علم کوئی فتویٰ نہیں دیتے۔ اور خدا نے ان کو غلطیوں سے معصوم بنا دیا ہے۔ اور حدیثِ ثقلین جس کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے

اُس کا یہی مطلب ہے۔

وہ حدیث یہ ہے:

"یا ایّھا النّاس انی تارك فیکم الثقلین
کتاب اللّٰہ و عترتی ما ان تمسکتم بھما
لن تضلوا بعدی۔"

آیتِ تطہیر

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ
الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ
تَطْہِیْرًا (سورہ احزاب ۳۳ - آیت ۳۳)

"اے (پیغمبرؐ کے) اہل بیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دُور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے"

اس آیت مبارکہ کے الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے ہم اس آیت میں موجود مفاہیم پر بھی بحث کریں گے۔

اِنَّمَا

آیت کی ابتدا لفظ "اِنَّمَا" سے کی گئی ہے اور عربی زبان میں انحصار پر دلالت کرنے والی چیزوں میں سب سے قوی دلالت لفظ اِنَّمَا کی ہوا کرتی ہے۔ اِنَّمَا کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے مابعد کو ثابت کرتا ہے اور اس کے علاوہ دوسروں سے اس کی نفی کرتا ہے۔

مثلاً اگر آپ فرمائیں: "انما الفقیہ علی" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فقیہ صرف علیؑ ہیں ان کے سوا کوئی اور نہیں۔

ابن منظور لسان العرب میں کہتے ہیں:

"اِنَّمَا کا مطلب مابعد کے لیے اثبات کرنا اور اس کے علاوہ کی نفی کرنا ہوا کرتا ہے۔ جیسے کہ شاعر کہتا ہے:

"وَ اِنَّمَا یُدَافِعُ عَنْ اَحْسَابِهِمْ اَنَا وَمِثْلِیْ"

یعنی میں اور مجھ جیسے لوگوں کے علاوہ کوئی اپنے حسب و نسب کا دفاع نہیں کرتا۔" [1]

پس لغت میں انحصار کا ایک مدلول ایجابی اور دوسرا سلبی ہوا کرتا ہے اور ان دونوں (ایجاب و سلب) کے بغیر انحصار کا مفہوم پورا نہیں ہوتا [2] اس لیے اس حد بندی کے پیشِ نظر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا صرف یہ ارادہ رکھتا ہے کہ طہارت صرف اہل بیتؑ کے لیے ہے اور اہل بیتؑ کے علاوہ دوسروں

---

[1] لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۱ - دار صادر - بیروت

[2] یعنی کسی کے لیے کوئی بات ثابت کی جاتی ہے اور باقی کو اس سے مبرّا قرار دیا جاتا ہے (ناشر)

کو خدا طاہر قرار دینا نہ چاہتا ہو۔ اور (کم ازکم) یہ مطلب اس وقت بہرحال ہوگا جب آیت نازل ہوئی ہے۔

(اس آیت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اِنَّمَا کو جس جزء سے متعلق کیجیے گا حصر کے معنی صحیح رہیں گے۔ مترجم)

جو شخص بھی اسلوبِ عرب سے واقف ہے اور اصول و قواعدِ لغت سے آگاہی رکھتا ہے اس کے لیے یہ بات بہت ہی واضح ہے اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

امام رازی کی توجیہ

امام فخرالدین رازی آیت کو اس کے حقیقی معنی سے ہٹانے کے لیے اپنی تفسیر میں اس آیت کے معنی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اے نبیؐ کی بیویو تم پر شرعی فرائض عائد کرنے سے خدا کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور تم لوگ جو اعمال بجا لاؤ گی اس کا نفع خدا کو نہیں پہنچے گا بلکہ اس کا نفع تم کو ہی ملے گا اور خدا نے جو تم کو حکم دیا ہے وہ تمھاری مصلحت کی وجہ سے دیا ہے۔"[1]

یہ عجیب و غریب کلام ہے۔ کیونکہ اس میں آیت کا مصداق اہل بیتؑ کو قرار نہ دے کر ازواجِ رسولؐ کو قرار دیا ہے اور وجہ انحصار کو بھی بدل دیا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ آیتِ تطہیر سے پہلے والی جتنی

---

[1] تفسیر کبیر۔ ج ۲۵۔ ص ۲۰۹

آیات ہیں ان سے مراد امہات المومنین یعنی ازواج رسولؐ ہیں اور ان آیتوں میں خطاب صرف نبیؐ کی بیویوں سے کیا گیا ہے اسی طرح اس میں بھی شک نہیں ہے کہ آیت تطہیر کے ضمن میں بیان کی جانے والی (اہلسنت کی) روایات زیادہ تر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امہات المومنین اہل بیت سے خارج نہیں ہیں (جیسا کہ بعد میں بیان کی جانے والی روایات سے واضح ہوگا) لیکن (فخر رازی کی طرح) کسی نے بھی نہیں کہا کہ اہل بیت سے صرف ازواجِ رسولؐ مراد ہیں اور ہم بعد میں صحیح و متواتر احادیث سے ثابت کریں گے کہ حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ امام حسنؑ، امام حسینؑ یقینی طور سے اہلِ بیت میں داخل ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم روایات سے بھی استدلال کریں گے اور ہماری ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جہاں نبیؐ کی بیویوں کو مخاطب کیا گیا ہے وہاں ضمیر جمع مؤنث کی استعمال ہوئی ہے لہٰذا اگر آیت تطہیر سے بھی ازواج رسولؐ مراد ہوتیں تو جمع مؤنث کی ضمیر استعمال ہوتی لیکن آیت تطہیر میں جمع مذکر کی ضمیر ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ مرد ہیں صرف حضرت زہراؑ عورت ہیں۔ مذکر کو غلبہ ہے اس لیے جمع مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔

میرے علم میں نہیں ہے کہ عکرمہ کے علاوہ کوئی محدث یا مفسر آیت تطہیر کے صرف رسول خداؐ کی بیویوں کے لیے مخصوص ہونے کا قائل ہو۔ جیسا کہ اسی بحث میں اس کا ذکر آئے گا۔ اور میرا ظن غالب یہ ہے کہ خود عکرمہ بھی آیت تطہیر کو ازواج کے لیے مخصوص نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ آیت تطہیر میں ازواج کو بھی شامل کر لیتا تھا (یعنی پنجتن کے ساتھ ازواج بھی مراد لیتا تھا)

اس بنا پر امام رازی نے جو بات کہی ہے کہ آیت تطہیر میں بھی خطاب صرف ازواج رسولؐ ہی سے ہے۔ یہ ایک بالکل بے معنی بات ہے۔ اگر ہم فخر رازی

اور ان کے ہمنوا حضرات کے خیالات کا احترام کر بھی لیں تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ آیۂ تطہیر میں ازواجِ رسولؐ بھی شامل ہیں۔

آیتِ تطہیر سے پہلے صرف امہات المومنین کو مخاطب قرار دیا جانا اور اسی طرح آیتِ تطہیر کے بعد بھی صرف امہات المومنین کو مخاطب قرار دینے سے فخر رازی وغیرہ کے قول کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ آیتِ تطہیر کا سیاق اپنے سے پہلی والی آیتوں اور اپنے سے بعد والی آیتوں سے واضح طور پر مختلف ہے اور احادیثِ صحیحہ و متواترہ سے قطعی دلیل اس بات پر موجود ہے کہ آیتِ تطہیر میں اہل بیتؑ داخل ہیں اور وہی مراد ہیں (اس لیے صرف ازواج مراد لینا دعویٰ بلا دلیل ہے)

اور کم سے کم اتنی بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ آیتِ تطہیر میں مخاطب "کُم" ہے اور پہلی والی آیتوں میں "کُنَّ" ہے۔ یعنی جب دونوں کے مخاطب الگ الگ ہیں تو فخر رازی کی تفسیر میں دونوں کو ایک قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا جیسا کہ فخر رازی کا قول ابھی کچھ پہلے گزر چکا کہ:

"اے نبیؐ کی بیویو تم پر شرعی فرائض عائد کرنے سے خدا کا کوئی فائدہ نہیں ہے ..... الخ"

اب اگر فخر رازی کی: نبیؐ کی بیویوں پر شرعی فرائض عائد کرنے سے خدا کا کوئی فائدہ نہیں ہے الخ۔ سے مراد وہ خطابات ہیں جو (آیتِ تطہیر) سے پہلے ہیں اور جن کا تعلق صرف ازواجِ رسولؐ سے ہے تو اس سے ازواج کے علاوہ دیگر افرادِ خاندان کے مستفید ہونے کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ان خطابات میں اگر کوئی نفع کی چیز ہے تو صرف ازواج کے لیے ہے۔ اس لیے کہ خطاب صرف انھیں ازواج سے ہے۔ اور اگر فخر رازی کی مراد یہ ہے کہ خصوصیتِ خطاب سے قطع نظر کرتے ہوئے سب ہی کو اس میں شامل کر لیا جائے تو پھر فائدہ کا اہل بیت میں

منحصر ہونا بے معنی ہو کر رہ جائے گا کیونکہ فائدہ کی خصوصیت تو ختم ہو گئی اب اس کا نفع اہل بیتؑ اور غیرِ اہل بیت سب کے لیے ہے۔

ان تمام باتوں کے علاوہ اس آیت کے بارے میں فخر رازی کی تفسیر سے جو ظاہری مفہوم ذہن میں آتا ہے اس کے بالکل برخلاف ہے اور اس میں اتنا تکلف ہے اور لفظوں کی دلالت میں اتنی تنگی ہے کہ کوئی بھی مفسّر بغیر شدید ضرورت کے اس کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ ورنہ ظاہر کلام اور اس کا فطری سیاق یہی بتاتا ہے کہ صرف اہل بیتؑ کے اندر طہارت کے انحصار کا ارادہ ہے اور انما یرید اللہ لیذھب سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے اور سب سے پہلے ذہن میں یہی مطلب آتا ہے۔ اور یہ کلام خدا واضح عربی میں ہے۔ اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے لہٰذا ہمارے بیان کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہے:

"اے اہل بیتؑ! خدا نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تم کو پاک و پاکیزہ قرار دے اور تم سے ہر قسم کی رجس و نجاست کو دُور رکھے۔"

یُرِیدُ اللہُ

یہ بات مشہور ہے کہ ارادۂ الٰہی کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ ارادۂ تکوینی۔ ۲۔ ارادۂ تشریعی۔

(۱) **ارادۂ تکوینی:** خدا کا ایسا ارادہ ہے کہ خدا اور اس کے ارادے میں کسی چیز کا حائل ہونا ناممکن ہو۔ یعنی خدا جو ارادہ کرے اس کا ہونا ضروری ہو۔ کوئی بھی شے اس کے ارادے کی کامیابی میں حائل نہیں ہو سکتی۔ مثلاً

ارشاد ہے:

" اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ." (سورۂ یٰس ۳۶ - آیت ۸۲)

" اس کا امر صرف یہ ہے کہ کسی شے کے بارے میں یہ کہنے کا ارادہ کرے کہ ہو جا اور وہ شے ہو جاتی ہے ."

(۲) ارادۂ تشریعی : خدا اور اس کے ارادہ کے درمیان مکلف کا ارادہ حائل ہو سکتا ہو ۔ مثلاً خدا کا ارادہ ہمیشہ بندوں کے اعمال سے متعلق ہوتا ہے لیکن اس کا پورا ہونا بندوں کے ارادے پر موقوف ہے ۔ اگر بندے اس کو بجا لائیں گے تو وہ ارادہ پورا ہوگا ورنہ پورا نہیں ہوگا ۔

یاد رکھیے خدا کا تشریعی ارادہ بندوں کے انھیں افعال سے متعلق ہوتا ہے جن کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے اور خدا کا تکوینی ارادہ امورِ تکوینی سے متعلق ہوا کرتا ہے ۔

اب چونکہ خدا کے ارادۂ تشریعی میں مکلف کا ارادہ حائل ہو سکتا ہے اور خدا کا ارادہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک بندہ بھی اس کا ارادہ کر کے اس پر عمل نہ کر ڈالے ۔ اس لیے ارادہ تشریعی میں مرادِ خدا کا پورا ہونا ضروری نہیں ہوا کرتا ۔ ارادۂ الٰہی اور مرادِ الٰہی میں تخلف ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ کبھی بندہ خدا کا حکم نہیں مانتا اس کی معصیت کرتا ہے تو ایسی صورت میں خدا کا ارادۂ تشریعی پورا نہیں ہوتا بلکہ بندہ کا ارادہ و اختیار ارادۂ خدا اور مرادِ خدا میں حائل ہو جاتا ہے ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا اپنے ارادے کو پورا کرنے سے عاجز ہے ۔ بلکہ خدا خود یہ چاہتا ہے کہ میرے ارادہ کی تکمیل بندہ کے ارادہ و اختیار پر موقوف ہو ۔

ارادہ کی یہ دونوں قسمیں تھوڑے سے فرق کے ساتھ خود انسان کے ارادہ میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً کبھی انسان کا ارادہ بعض امور تکوینی سے متعلق ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ خود پانی پینا چاہے یا خود لکھنا چاہے تو پانی پی سکتا ہے اور لکھ سکتا ہے۔ اسی کو ارادہ تکوینی کہتے ہیں۔ اور کبھی انسان کا ارادہ دوسرے کے فعل سے متعلق ہوتا ہے مثلاً کوئی چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اس کو پانی پلا دے یا اس کا بیٹا کچھ لکھ دے تو وہ اپنے بیٹے کو پانی پلانے یا لکھنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ بات اس کے بیٹے پر موقوف ہے کہ باپ کو پانی پلائے یا نہ پلائے، لکھے یا نہ لکھے۔ اسی کو ارادہ تشریعی کہا جاتا ہے مگر تھوڑے سے فرق واختلاف کے ساتھ!

اب اس کے بعد آیت تطہیر کی بحث میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارادہ سے مراد خدا کا کون سا ارادہ ہے؟ اگر ارادہ تکوینی مراد ہے تو ارادہ کے ساتھ اہل بیتؑ کی طہارت رعصمت ثابت ہو جائے گی اور اگر ارادہ سے مراد ارادۂ تشریعی ہے اور آیت کا مطلب یُرِیۡدُ اللّٰہُ سے یہ ہے کہ خدا اہل بیتؑ کی طہارت اور ان سے رجس کی دوری کا ارادہ ان کے ارادہ واختیار کے ساتھ چاہتا ہے تو پھر یہ آیت عصمت پر دلالت نہیں کرے گی۔ کیونکہ خدا اپنے بندوں سے طہارت، عدل، حق وغیرہ کا جو ارادۂ تشریعی کرتا ہے وہ سب کا سب پورا نہیں ہوتا۔ بلکہ زیادہ تر پورا نہیں ہوتا کیونکہ بندے اس پر عمل نہیں کرتے۔ لہٰذا اگر یہ مراد لی جائے تو اس آیت کی دلالت قطعی طور سے عصمت پر نہیں ہو گی۔

اس کے علاوہ ارادہ تشریعی مراد لینے پر کلمہ اِنَّمَا بے معنی ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اِنَّمَا کی دلالت محدودیت پر بہت ہی قوی ہے اور اگر ارادہ سے تشریعی ارادہ مراد لیا جائے تو یہ محدودیت ختم ہو جائے گی اور طہارت اہل بیتؑ پر منحصر نہیں رہے گی کیونکہ طہارت کا ارادہ تشریعی خدا کا اپنے تمام بندوں کے لیے ہے صرف

اہل بیتؑ کے لیے نہیں ہے جس کو اِنَّمَا سے مخصوص کیا جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔"

(سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۶)

"خدا تو یہ چاہتا ہی نہیں کہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرے۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک و پاکیزہ کر دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔"

اس بنا پر ارادۂ تطہیر کا صرف اہل بیتؑ کے لیے مخصوص ہونا بے معنی سی بات ہے کہ صرف اہل بیتؑ کے لیے اثباتِ طہارت ہے اور ان کے علاوہ دوسروں سے طہارت کی نفی ہے۔ کیونکہ انحصار ایجابی و سلبی مفہوم سے مرکب ہوتا ہے۔ اس لیے آیت میں ارادۂ تشریعی تو مراد ہی نہیں لیا جا سکتا۔ پھر سوائے ارادۂ تکوینی کے اور کوئی صورت نہیں ہے اور ارادۂ تکوینی مراد لینے سے اِنَّمَا کا منحصر ہونا بھی باقی ہے اور یہ اپنے مابعد سے مرتبط بھی رہتا ہے اور اگر ارادۂ تکوینی مراد لیا تو اہل بیتؑ کے لیے فوری عصمت و طہارت کا ثبوت ماننا پڑے گا۔

ارادۂ خدا کا پورا نہ ہونا محال ہے

جب یہ بات طے ہو گئی کہ آیت میں ارادۂ تکوینی مراد ہے تو پھر مرادِ خدا کا پورا نہ ہونا محال ہے اور اسی طرح اہل بیتؑ تک رجس کی رسائی محال ہے۔ یا یوں کہیے کہ کسی حالت میں بھی ان سے طہارت کا جدا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ بدیہی بات ہے اور ہر مسلمان مانتا ہے کہ مرادِ خدا کا پورا نہ ہونا محال ہے۔ اس لیے کہ اسی

کا ارشاد ہے :

"اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔"
(سورہ یٰس ۳۶ - آیت ۸۲)

"اس کا امر صرف یہ ہے کہ کسی شے کے بارے میں یہ کہنے کا ارادہ کرلے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے ۔"

اس لیے ان (اہل بیتؑ) سے گناہ سرزد ہونا محال ہے ۔ اور اگر ارادہ کا یہ مطلب لیا جائے تو یہ کلمہ اِنَّمَا کے انحصار سے بھی مطابقت رکھتا ہے ۔ اور ایجابی و سلبی مفہوم دونوں اپنی جگہ پر درست ہیں ۔ اور اس میں وہ اشکال بھی لازم نہ آئے گا جو ارادہ کے تشریعی مراد لینے سے آتا ہے ۔

پس اس آیت کی بنا پر اہل بیتؑ کی طہارت لازمی اور رجس کا ان سے دور ہونا ضروری ہوگیا ۔

کیا عصمت کا لازمہ جبر ہے ؟

بعض ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ارادہ کی اس طرح تفسیر کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ اہل بیتؑ مختار نہیں رہے ۔ ان سے گناہ کی قدرت سلب کرلی گئی وہ گناہ پر قدرت ہی نہیں رکھتے ۔ کیونکہ ارادہ تکوینی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرادِ خدا کے درمیان کسی بندے کا ارادہ حائل ہی نہ ہوسکے ۔ کوئی کچھ اور ارادہ کرے مگر جو خدا نے طے کردیا وہی ہوگا ۔

اس شبہ کا جواب مفہوم عصمت سمجھ لینے کے بعد بہت آسانی سے واضح ہو جائے گا ۔ کیونکہ یہ شبہ صرف ائمہ اہل بیتؑ تک محدود نہیں ہے بلکہ انبیاء بھی اس میں شامل ہیں ۔ کیونکہ خدا کا ارادہ تکوینی عصمتِ انبیاء سے بھی متعلق ہے اور انبیاء

کی عصمت بہر حال مسلّم ہے چاہے وہ بعض چیزوں ہی کے لیے ثابت ہو۔ لہٰذا عصمتِ اہلِ بیتؑ پر جو اعتراض ہوتا ہے وہی عصمتِ انبیاء پر بھی ہوتا ہے۔

پس مناسب ہے کہ عصمت پر اس اعتراض کا جواب دیا جائے۔

عصمت کا مطلب یہ ہے کہ معصوم سے گناہ کا صادر ہونا محال ہے۔ البتہ معصوم سے گناہ سرزد نہ ہونے کی وجہ جبر نہیں ہے۔ بلکہ عدم ارتکاب گناہ ایک مخصوص تربیت کا نتیجہ اور قوتِ ارادی وضبطِ نفس کی بلندی کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ نیز ان تمام باتوں سے بیشتر توفیق وتائیدِ الٰہی کا اپنے بندہ کے شاملِ حال ہونا سب سے زیادہ ضروری عنصر ہے اور خدا کی یہ تائید اس حد تک حاصل ہوتی ہے کہ بندہ سے گناہ صادر ہونا محال ہو جاتا ہے۔

عصمت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان سے اس کا ارادہ واختیار بالکل ہی چھین لیا جاتا ہے اور وہ مجبورِ محض ہوتا ہے یعنی اس کی حقیقت صرف ایک مشین کی سی ہو جاتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ عصمت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی ارادہ اس قدر قوی اور بلند ہو جاتا ہے کہ پھر اس سے ارتکابِ گناہ محال ہے۔

ہم اس کی ایک مثال بیان کرتے ہیں تاکہ مطلب زیادہ واضح ہو جائے۔ دیکھیے ہم میں سے ہر شخص عصمت کے ایک نہ ایک درجہ پر فائز ہے۔ جس کی تربیت اچھی ہے قوتِ ارادی مضبوط ہے، ضبطِ نفس پر قادر ہے، خواہشاتِ نفس کی مخالفت پر قدرت رکھتا ہے۔ تہذیبِ نفس کے درجہ پر فائز ہے وہ عصمت پر فائز ہے۔ یہ چیزیں جتنی قوی ہوں گی درجہ عصمت اتنا ہی بلند ہوگا اور یہ چیزیں جتنی کمزور ہوں گی عصمت کا درجہ بھی کمزور ہوگا۔

مثلاً ایک ماں کے لیے محال ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے بچے کو ذبح کر دے اور اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی ماں چاہے وہ اپنے بچے سے

کتنی ہی ناراض ہو اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کا گلا نہیں گھونٹ سکتی (بس اپنے بچہ کے قتل کا گناہ ماں نہیں کر سکتی کم از کم اس معاملہ میں وہ معصوم ہے۔ مترجم) اور یہ درجۂ عصمت تقریباً تمام ماؤں کے اندر موجود ہوتا ہے (بیماری یا استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر)

ماں کے اندر یہ عصمت خدا کے ارادۂ تکوینی کی پیداوار ہے کیونکہ اس نے اپنے ارادہ کے ذریعہ ماں کے دل میں بچہ کی وہ محبت و عطوفت و مہربانی پیدا کر دی ہے جس کی بنا پر ماں بچہ کو قتل نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ماں سے قتل کی قدرت و اختیار ہی سلب کر لیا ہے۔ اب وہ مجبورِ محض ہے وہ قتل پر قادر نہیں ہے۔ یہی نہیں بہت سے ایسے لوگ اس دنیا میں ہیں جو جزئی و معمولی اسباب کی بنا پر کسی نفسِ محترم کو جان بوجھ کر قتل نہیں کر سکتے یا کسی حق میں اختلاف کی وجہ سے یا اختلاف رائے کی وجہ سے بھی وہ لوگ کسی نفسِ محترم کو قتل نہیں کر سکتے (بس ایسے لوگ اس گناہ سے معصوم ہیں، اس کے برخلاف ظالم و سفاک لوگ اس گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں (وہ اس سے معصوم نہیں ہیں) بلکہ خود عوام الناس کسی معمولی سی بات کی بنا پر قتل کے جرم کا ارتکاب ہرگز نہیں کر سکتے۔ گویا یہ لوگ بھی اس گناہ سے معصوم ہیں۔

اب ذرا اس سے ایک درجہ اور آگے بڑھیے تو آپ دیکھیں گے کہ لوگوں کی ایک اچھی خاصی جماعت جو اچھے پیمانہ پر زندگی بسر کرتی ہے ان کے لیے بھی محال ہے کہ وہ دوسروں پر کھلم کھلا ظلم کریں۔ مثلاً کسی کی روزی کا سلسلہ بند کر دیں۔ ان کو قید میں ڈال دیں، معمولی سے اختلاف رائے کی وجہ سے ان پر طرح طرح کے عذاب نازل کرنے لگیں۔ برخلاف اس کے دوسرے لوگ معمولی اختلاف پر اس قسم کے اقدامات کرنے لگتے ہیں۔ اب عصمت کا یہ درجہ پہلے درجہ سے اعلیٰ ہے اور

اس کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ یہ تربیت کا نتیجہ ہے بیداری ضمیر کا معاملہ ہے، تہذیب نفس کی وجہ سے ایسا ہے۔

اب ذرا اس سے بھی ایک درجہ آگے بڑھ چلیے۔ یہ تیسرا درجہ ہے۔ اس درجہ میں ایسے لوگ آتے ہیں جو دوسروں پر ظلم کرنا، مارنا، قتل کرنا تو درکنار، لوگوں کی موجودگی میں کسی سے فحش کلامی بھی نہیں کرسکتے، کسی کو گالی نہیں دے سکتے۔ ان کے لیے ایسا کرنا محال ہے۔ انتہا یہ ہے کہ دوسرا شخص اگر ان کو گالی بھی دے تب بھی وہ گالی دینے والے کو گالی نہیں دے سکتے۔ یہ تربیت کا سب سے بلند درجہ ہے اور ضبطِ نفس و تہذیب نفس کا اعلیٰ نمونہ ہے اور یہ ایسی اجتماعی تربیت ہے جو انسان کو اپنے ارادہ واختیار سے اس پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرتی ہے (ایسا شخص مار پیٹ، قتل وغارت، فحش و گالی گلوچ کے گناہ سے معصوم ہے لیکن اس پر مجبور نہیں ہے۔ اس کے پاس ارادہ واختیار ہے، اس کو گالی پر قدرت ہے مگر گالی نہیں دیتا۔ مترجم)

آئیے عصمت کا اس سے بھی بڑا مرتبہ ملاحظہ فرمائیے۔ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں (چاہے ان کی تعداد انگلیوں پر گننے کے قابل ہو) جن کو خدا نے دین کا اچھا خاصہ حصہ دیا ہے اور ان کی بہت اچھی وصالح تربیت ہوئی ہے اور خدا نے ان پر اپنا خاص فضل وکرم کیا ہے۔ ان لوگوں کے لیے محال ہے کہ یہ کسی مومن کو اذیت دے سکیں، کسی کی غیبت کرسکیں، چغل خوری کرسکیں۔ انتہا یہ ہے کہ اشاروں کنایوں میں بھی ایسا نہیں کرسکتے۔ ان سے کسی ظلم کا سرزد ہونا یا مومن کو اذیت پہنچانا ناممکن و محال ہے۔ ان کے لیے یہ چیزیں ایسے ہی محال ہیں جیسے دوسروں کے لیے بغیر کسی سبب یا معمولی سبب کی بنا پر قتل کرنا محال ہے۔ جبکہ کمینے اور سفاک لوگ اس قسم کے جرائم کا ارتکاب کرنا آسان سمجھتے ہیں۔

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان عصمت کے منازل اسی طرح درجہ بدرجہ طے کرتا ہے اور ہر درجہ میں ایک مخصوص دائرہ تک اس کے لیے ظلم و ستم کا ارتکاب محال ہوتا ہے۔ اور جتنا جتنا انسان ترقی کرتا جائے گا اس کا دائرۂ عصمت وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا اور یہ سب مخصوص تربیت، تہذیبِ نفس، بیداریٔ ضمیر، سلامتیٔ قلب اور تائید الٰہی کی بنا پر ہوتا ہے۔ نفسِ انسان جتنا کمزور ہو گا تائیدِ الٰہی اتنی ہی زیادہ ہو گی۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ عصمت کے جتنے بھی مراحل ہیں ان میں معصیت کا ارتکاب اور ظلم وغیرہ محال ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود انسان کا ارادہ و اختیار اس سے سلب نہیں کیا جاتا نہ وہ مجبورِ محض، مشین کی طرح ہوتا ہے بلکہ اس کے پاس اس کا ارادہ و اختیار و قدرت سب کچھ رہتا ہے اور انسان اپنے ارادہ و اختیار سے ظلم سے دُور رہتا ہے۔ البتہ انسان کے ارادہ و اختیار کے درجات تربیت، تہذیبِ نفس، مرکزِ اجتماعی وغیرہ کے اعتبار سے متفاوت ہوتے ہیں۔ لیکن ان تمام چیزوں سے پہلے تائیدِ الٰہی ضروری ہوتی ہے۔

اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ انسانی ارادہ کو مضبوط بنانے میں سب سے زیادہ دخل تائید و مددِ الٰہی کو حاصل ہے اور اسی کی بنا پر انسان انحراف، ظلم وغیرہ سے بچتا ہے۔

اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ خدا اپنے بندہ کی تائید ایک اصول کی بنا پر کرتا ہے۔ جیسے کہ تمام چیزوں میں اس کے اصول و قوانین نافذ ہیں۔ اسی طرح انسان میں بھی جب وہ بات ہو گی تو خدا تائید کرے گا۔ مثلاً انسان جتنا زیادہ جہاد بالنفس کرے گا اتنی زیادہ خدا کی طرف سے اس کی تائید ہو گی۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔"

(سورۂ عنکبوت ۲۹۔آیت ۶۹)

"جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا انھیں ہم ضرور اپنی راہ کی ہدایت کریں گے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا نیکوکاروں کا ساتھی ہے۔"

پس عصمت اور بندے سے ارتکابِ گناہ کے محال ہونے کا مطلب سلبِ ارادہ واختیار نہیں ہے بلکہ ارادہ کا اتنا قوی ہوجانا ہے کہ نفسانی خواہشات اس ارادہ پر غالب نہ آسکیں۔

جب ہماری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ عصمت ارادہ واختیار سلب کر لینے کا سبب نہیں ہوا کرتی تو اب ذرا اُونچے پیمانے پر سوچئے یعنی انبیائے کرامؑ اور ائمۂ معصومینؑ کی عصمت کو سوچئے کہ ان کے یہاں معصیت، ارتکاب ظلم وگناہ ناممکن ہے اور یہ سب خود ان حضرات کے ارادہ واختیار سے ہے ان سے ان کا ارادہ سلب نہیں کیا گیا اور نہ وہ مجبور ومغلوب ومقہور رہیں۔

اس وضاحت کے بعد آیتِ تطہیر میں ارادۂ تکوینی کا سمجھ لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ خداوندعالم کا لطف وکرم ہے اور اس کی تائید اور اس کا فیضان ہے جو اس کے صالح بندوں جیسے انبیاءؑ اور ائمہ معصومینؑ سے متعلق ہوتا ہے کہ خدا ان کے نفوس کو پاک کر دیتا ہے اور ان سے برائیاں دُور کر دیتا ہے اور اپنے ارادۂ تکوینی کے ذریعہ ان کے ارادوں کو بلندی عطا کر دیتا ہے اور اپنی قدرت کاملہ کے واسطے سے ان کو ایسا ملکہ عطا کر دیتا ہے جس کے بعد ان کے لیے معصیت وگناہ ناممکن ہوتا ہے اور وہ باارادہ واختیار ہوتے ہیں۔

یہ تائیدِ الٰی معصومینؑ سے ان کا ارادہ واختیار چھین نہیں لیتی بلکہ درحقیقت ان کے درجۂ ارادہ واختیار کو تقویت بخشتی ہے اور ضبط وقوتِ نفس میں مدد کرتی ہے یہاں تک کہ ان حضرات سے معصیت وگناہ کا سرزد ہونا اسی طرح محال ہو جاتا ہے جس طرح ماں کا اپنے بچہ کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا محال ہے اور ان حضرات کا گناہ و معصیت سے پرہیز ان کے ارادہ واختیار سے ہوتا ہے۔ اس میں وہ مجبور نہیں ہوتے۔

لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ

الرجس: پلیدی ناپاکی [1] جس سے انسان نفرت کرے اور یہ رجس کبھی تو مادی اور ظاہری حالت ہوتی ہے اور کبھی نفسانی حالت۔ پہلے کی مثال

" اَوْلَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ " [2]

"یا سور کا گوشت ہو کر یہ سب رجس اور گندگی ہے۔"

دوسرے کی مثال:

" وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ۔" [3]

" اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے مرض میں سورة سے اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ کفر کی حالت ہی میں مر جاتے ہیں۔"

---

[1] مفردات راغب اصفہانی ص ۱۸۸

[2] سورہ انعام ۶ - آیت ۱۴۵

[3] سورہ توبہ ۹ - آیت ۱۲۵

اسی طرح خداوند عالم کا ارشاد ہے :

"وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ."

"اور جس کو گمراہی کی حالت میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ و دشوار گزار کر دیتا ہے گویا (قبول ایمان) اس کے لیے آسمان پر چڑھنا ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے خدا ان پر بُرائی کو اسی طرح مسلط کر دیتا ہے۔"

پس آیہ کریمہ واضح الفاظ میں دلالت کرتی ہے کہ خدا نے اہل بیتؑ سے رجس کو دُور کر دیا ہے اور ظاہری بات ہے کہ رجس کی واضح ترین اقسام معصیت و گناہ ہے اور اس کو خدا نے اہل بیت رسولؐ سے دور کر دیا ہے اور رجس سے یہ دوری خدا کے ارادہ تکوینی کی بنا پر ہے جس کے لیے ارشاد ہے

"انما امرہ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون۔"

لہٰذا اس آیت کے بموجب اہل بیتؑ سے گناہ و معصیت کا سرزد ہونا محال ہے۔

طبری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"اے اہل بیتِ محمدؐ خدا کا ارادہ ہے کہ تم سے بُرائیوں کو دُور

لے سورہ انعام ۶ - آیت ۱۲۵ - اس سلسلہ میں علامہ طباطبائی مرحوم کی تفسیر میزان ج ۱۶ ص ۳۰۳ کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

کرے اور اہلِ معاصی میں جو عیوب ہوتے ہیں ان سے تم
کو پاک و پاکیزہ قرار دے۔ ہم نے جو بات کہی ہے ویسی
ہی بات اہلِ تاویل نے بھی کہی ہے۔"

اس کے بعد ابن زید کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"رجس سے مراد یہاں پر شیطان ہے اور اس کے علاوہ
رجس سے مراد شرک ہے۔" [1]

شیخ محی الدین بن العربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے باب ۲۹ میں
لفظ رجس کی تفسیر بکل مایشین (ہر وہ چیز جو باعثِ برائی ہو) سے کی ہے
لیجیے ان کی عبارت کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

"حضرت رسول خداؐ نے ذکر فرمایا ہے کہ: خدا نے ان کو اور ان
کے اہل بیتؑ کو پاک قرار دیا ہے اور ان حضرات سے رجس
(ہر وہ چیز جو باعث عیب ہو) کو دور کیا ہے۔ کیونکہ عربوں
کے نزدیک رجس قذر (گندی چیز) کو کہتے ہیں۔ اسی طرح
فرّاء نے (بھی) حکایت کی ہے۔" [2]

نیشاپوری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"گناہوں کے لیے رجس سے استعارہ کیا گیا ہے۔" [3]

---

[1] جامع البیان۔ طبری ج ۲۲۔ ص ۵

[2] فصول المہمہ۔ علامہ شرف الدینؒ ص ۲۱۸

[3] تفسیر غرائب القرآن۔ نیشاپوری، حاشیہ جامع البیان۔ ج ۲۲۔ ص ۱۰

اَھلُ البَیتِ

اہل بیتؑ کون لوگ ہیں ؟

(۱) ——— اہل بیتؑ کی تعریف کے سلسلہ میں وہ صحیح وصریح روایات کافی ہیں جن میں یکے بعد دیگرے ان حضرات کے اسمائے گرامی صراحت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ اگرچہ ایسی روایات (جن میں اسمار کا ذکر ہے) اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات کے مقابلہ میں کم ہیں۔

(۲) ——— معلوم یہ ہوتا ہے کہ رسولِ خداؐ "اہل البیت" کا لفظ جو قرآن میں آیا ہے: "اس کے مصداق کو مشخص ومعین کرنے میں شدت پسندی سے کام لیتے تھے اور اس کلمہ (اہل بیتؑ) کو دوسروں کے لیے استعمال کرنے سے اور جو لوگ اہل بیتؑ میں داخل نہیں ان کو اہل بیتؑ میں داخل کرنے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے۔ مثلاً عبداللہ بن جعفر والی روایت میں اہل بیتؑ کے اسمار کو معین کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"میرے پاس بلاؤ میرے پاس بلاؤ! ۔ صفیہ نے پوچھا : کس کو ؟ آنحضرتؐ نے فرمایا : میرے اہل بیتؑ علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ وحسینؑ کو ۔ پھر اہل بیتؑ میں آپ حضرات ہی کو منحصر کرنے کے بعد فرماتے ہیں : پالنے والے یہی میری آل ہیں فصل علی محمد و آل محمد ۔

اس کے بعد خدا قرآن میں محکم آیت نازل کرتا ہے :

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس

اهــل البیت ویطـهرکم تطـهیرا۔ " لہ

جو شخص بھی عربی کلام کے اسلوب سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ "اللّٰھم ھٰولاء آلی" کی دلالت اس بات پر ہے کہ اہل بیتؑ کا انحصار انھیں لوگوں میں ہے اور ان کے علاوہ دوسروں سے اہل بیت کی نفی کی گئی ہے۔

(۳) ــــــــ اہل بیتؑ کو خوب مشخص و معین کرنے کے لیے چادر کا حصار کرتے ہیں جیسا کہ ام سلمہؓ کی روایت میں ہے کہ :

" رسولِ خداؐ نے حسنؑ و حسینؑ اور فاطمہؑ کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور علیؑ کو بلا کر اپنے پیچھے بٹھایا۔ اس کے بعد اپنے اوپر اور ان لوگوں پر چادر ڈال کر فرمایا : خداوندا ! یہی میرے اہل بیتؑ ہیں لہٰذا ان سے رجس کو دور فرما اور ان کو پاک کرنے کی طرح پاک کر۔" ؎۲

اہل بیتؑ کو انہی حضرات میں منحصر کرنے کی سب سے عمدہ یہی صورت ہو سکتی تھی۔ گویا رسولِ خداؐ لوگوں کے شک و شبہ والے عذر کو بھی ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اس لیے ایک چادر کے نیچے سب کو جمع کر کے فرمایا تاکہ شک کا سوال ہی نہ رہے اور مکمل طور سے انحصار ثابت ہو جائے۔

(۴) ــــــــ جب رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ کو بلا کر چادر کے نیچے اکٹھا کر کے فرمایا :

لہ بروایت الحاکم فی مستدرک الصحیحین کما یاتی۔

؎۲ طبری و ابن کثیر کی روایت کے مطابق دونوں کی تفسیروں میں ہے۔ ترمذی کی صحیح میں ہے طحاوی نے مشکل الاخبار میں لکھا ہے۔

"میرے معبود یہی میرے اہل بیتؑ ہیں ان سے رجس کو دُور فرما
اور پاک و پاکیزہ قرار دے۔"

تو جناب امّ سلمہؓ جن کے بیتِ اشرف میں یہ آیت نازل ہوئی اپنی تمنا دل میں لیے ہوئے آنحضرتؐ سے بولیں:

"اے رسولِ خداؐ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"تم اپنی جگہ پر ہو اور تم خیر پر ہو۔"[1]

رسولِ خداؐ نے جناب امّ سلمہؓ کے خیر پر ہونے کی نفی نہیں فرمائی لیکن اہل بیتؑ سے ہونے کی نفی کر دی حالانکہ وہ آنحضرتؐ کی بیوی تھیں امہات المومنین میں سے تھیں۔ اور جب یہ روایت صحیح ہے تو پھر امہات المومنین کو اہل بیت میں داخل کرنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

(۵) ——— اس کے علاوہ رسولِ خداؐ نے خود ہی اتنی وضاحت فرما دی ہے جس سے شک کی گنجائش ہی ختم ہو گئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

"یہ آیت میرے اور علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ و فاطمہؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔"[2]

اب آپ بتائیے کہ نزولِ آیت کے زمانہ ہی میں جب رسولِ خداؐ نے بیان کر دیا کہ اہل بیتؑ سے مراد یہی حضرات ہیں تو پھر کیا اس کے بعد بھی شک کی گنجائش

---

[1] سیوطی نے درالمنثور میں ابن سعید سے روایت کی ہے جس کا تذکرہ آگے چل کر آئے گا۔

[2] اس روایت کو طبری نے اپنی تفسیر میں، محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ میں ابوسعید سے روایت کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے ج ۳ ص ۴۸۵ پر نقل کیا ہے۔

باقی رہ جاتی ہے ؟

اور کیا اس وضاحت کے بعد کسی کو یہ شک ہو سکتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان پانچوں حضرت رسولِ خداؐ، حضرت علی مرتضیٰؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، حضرت حسن مجتبیٰؑ، حضرت حسینؑ (شہید کربلا) کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ؟

علامہ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"تمام اسلامی مذاہب کے اہل قبلہ کا اجماع ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے حسنینؑ اور حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ کو اپنے پاس اکٹھا کر کے اپنے ساتھ ان لوگوں پر بھی ایک چادر ڈال تاکہ یہ حضرات تمام بیٹوں، نفسوں اور عورتوں سے متمیز ہو جائیں جب سب کے سب تمام خاندان سے الگ ہو کر چادر کے نیچے آگئے اور اس چادر کے ذریعہ پوری امت کی نظروں سے چھپ گئے تو اسی حالت میں ان کو رسولِ خداؐ نے آیت سنائی ۔ اس عمل کا مقصد صرف یہ تھا کہ آل اور اصحاب میں سے کسی ایک فرد کو اس میں شرکت کی طمع نہ رہے ۔ چنانچہ آپؐ نے تمام لوگوں سے علیحدگی میں صرف انھیں حضرات کو مخاطب کر کے فرمایا :

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ۔

پس ان حضرات پر پردہ ڈال کر ان کو شک و ریب کے پردہ سے الگ کر دیا اور شبہات کو ختم کر دیا ۔ لہذا آپ کی حکمت بالغہ کی بنا پر اہل بیتؑ میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکا ۔ اور

بلاغت بیان کی شعاعوں سے آنحضرتؐ کا مقصد واضح و روشن ہوگیا۔ والحمد للہ رب العالمین "۔ ؎۱

(۶) ——— اہل بیتؑ کو صرف ان پانچ افراد میں معین کرنے کے لیے اور دوسروں سے نفی کرنے کے لیے اور امت کو اس طرح اطلاع دینے کے لیے جس سے اہل بیتؑ کے عدد کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ ہوسکے۔ آنحضرتؐ نزولِ آیت کے بعد روزانہ مسلمانوں کی موجودگی میں جناب سیدہؑ کے دروازے پر اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوبرزہ کہتے ہیں :

" میں نے رسولِ خداؐ کے ساتھ ، ۱ مہینہ نماز پڑھی۔ آپؐ جب اپنے گھر سے نکلتے تھے تو سیدھے باب فاطمہؑ پر آکر فرماتے تھے الصلاۃ علیکم ۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا "۔ ؎۲

ابن عباس کا بیان ہے :

" میں رسولِ خداؐ کے ساتھ نو ماہ رہا ۔ روزانہ آنحضرتؐ نماز کے وقت حضرت علیؑ کے دروازے پر آکر فرماتے تھے : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اھل البیت (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا) اور روزانہ پانچ مرتبہ آپ کا یہی معمول تھا۔ ؎۳

؎۱ الکلمۃ الغراء فی تفضیل الزہراءؑ ۔ علامہ شرف الدینؒ ۔ جو الفصول المہمہ میں چھپی ہے اس کے ص ۲۰۴ ، ۲۰۵ پر ملاحظہ ہو ۔

؎۲ مجمع الزوائد

؎۳ الدر المنثور

مالک بن انس کہتے ہیں:

"میں نے رسولِ خداؐ کے ساتھ ۱۷ ماہ نماز پڑھی۔ جب آپؐ اپنے گھر سے نکلتے تھے تو جناب فاطمہؑ کے دروازے پر آکر فرماتے تھے: الصلاۃ علیکم (انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا) اور یہ عمل روزانہ پانچ مرتبہ فرماتے تھے۔"[۱]

آیت کے بارے میں لوگوں کو یہ اشتباہ نہ ہونے پائے کہ اہل بیتؑ سے کون حضرات مراد ہیں۔ اس لیے آنحضرتؐ نے یہ عجیب وغریب طریقہ استعمال کیا تھا تاکہ اہل بیتؑ کا انحصار انھیں حضرات میں رہے اور ان میں کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے۔ یہ بات بھی شک سے بالا ہے کہ اس امر کی تبلیغ اور اہل بیتؑ کی حد بندی کے لیے آنحضرتؐ نے جو اتنا اہتمام فرمایا تھا اس کا کوئی نہ کوئی اہم مقصد تو رہا ہی ہوگا اور واقعاً اس کا نتیجہ بعد میں مسلمانوں کی تاریخ وحیات ودین میں مرتب ہو کے رہا۔

اگر آیت کا مقصد صرف اہل بیتؑ کا احترام ہوتا کہ یہ رسولؐ کے قرابتدار ہیں اس لیے ان کا احترام کرنا چاہیے تو پھر رسول خداؐ کو اتنے اہتمام وتاکید اور ان کے ناموں کے اعلان اور ان کے انحصار کے لیے اتنے مختلف طریقے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی جناب زہراؑ کے مکان کے سامنے روزانہ پانچ مرتبہ یا کم از کم ہر نماز کے وقت بنا بر اختلافِ روایات ۶ ماہ یا ۷ ماہ یا ۸ ماہ یا ۹ ماہ مسلمانوں

---

[۱] ترمذی نے صحیح میں، احمد وطیاسی نے اپنی اپنی مسند میں، حاکم نے مستدرک الصحیحین میں، ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں، طبری، ابن کثیر، سیوطی نے اپنی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

کے سامنے مسلسل اعلان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یقیناً یہ عجیب بات تھی اور اس میں کوئی راز پوشیدہ تھا۔ اور کسی نہ کسی طرح اس حقیقت کو آنحضرتؐ مختلف بیانات اور مختلف طریقہ ہائے عمل سے آشکار کرنا چاہتے تھے۔

اس لیے کبھی تو اہلِ بیتؑ کا نام بتاتے تھے،

کبھی ان کے منحصر ہونے کو بتاتے تھے اور فرماتے تھے:

اللّٰھم ھٰؤلاء آلی.....

اور کبھی ان کو ایک چادر کے نیچے جمع کر کے فرماتے تھے جس میں کسی دوسرے کو داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔

انتہا یہ ہے کہ اپنی بیوی ام سلمہؓ کو اس کے اندر داخل ہونے سے منع کر دیتے تھے۔ اور کبھی ہر ایک کا تعارف یکے بعد دیگرے نام بنام کراتے تھے۔

اور کبھی اہم ترین افرادِ امت کو اپنے ہمراہ لے کر مدّتوں درِ سیدہؑ پر آکر سلام کرتے اور ان کی طہارت کا اعلان فرماتے تھے۔

پالنے والے ہم گواہی دیتے ہیں کہ تیرا رسولؐ یہ سب بغیر کسی مقصد یا حکمت کے نہیں کرتا تھا۔ معبود تو نے اپنے نبیؐ کو جس کی تبلیغ کا حکم دیا تھا اس نے اس کو پہنچا دیا اور باقاعدہ پہنچا دیا اور جتنی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی تھیں ان سب کو پورا کیا۔ کسی کے لیے شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی۔

اللّٰھم اکتبنا من الشاھدین واعنا علی ما حملتنا

مخالف روایات

آیت تطہیر پر گفتگو کے دوران اس بات کے حق میں کہ اس آیت کا مصداق صرف اور صرف اہلِ بیتؑ ہیں ہم نے جو روایات نقل کی ہیں ان کی مخالف روایات بھی

کتابوں میں ملتی ہیں مگر وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں اور متروک ہیں۔ ان کے بارے میں ہم صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ابن حجر الہیثمی جو ان ضعیف روایات کے مطابق سب سے زیادہ آیت کریمہ کی توجیہ کرنے پر اصرار کرتے ہیں وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

"اکثر مفسرین کا قول یہی ہے کہ (آیتِ تطہیر) (حضرت) علیؑ (حضرت) فاطمہؑ (حضرت) حسنؑ (حضرت) حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" [1]

لیکن انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم ان روایات کو بھی پیش کر دیں تاکہ منصف مزاج آدمی خود بھی سند و دلالت کے اعتبار سے تحقیق و جستجو کر سکے۔ اس قسم کی روایات دو قسموں کی ہیں۔

(۱) پہلی قسم

ایسی روایات بھی ہیں جو بتاتی ہیں کہ آیتِ تطہیر صرف ازواجِ رسولؐ کے لیے مخصوص ہے۔ لیکن یہ اعتدال سے گزری ہوئی رائے ہے۔ انتہا یہ ہے کہ ابن کثیر جو اپنے منفی نظریات میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اس کو قبول نہیں کرتے۔ [2]

(۲) دوسری قسم

ایسی روایات ہیں جن کی دلالت اس بات پر ہوتی ہے کہ اہل بیتؑ سے مراد ازواجِ رسولؐ، پنجتن پاکؑ، آلِ عقیل و آلِ عباس و آلِ جعفر وغیرہ

---

[1] الصواعق المحرقہ، ص ۱۴۳

[2] تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۸۳

سب ہی ہیں ۔

اب ہم دونوں قسموں کے نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ ان پر کچھ روشنی ڈال سکیں :

۱ ۔ عکرمہ و مقاتل کی روایت

عکرمہ کو تمام مفسرین میں یہ انفرادی حیثیت حاصل ہے کہ یہ کہتے ہیں :

" آیت تطہیر صرف ازواجِ رسولؐ کے لیے ہے اس میں کوئی اور شریک نہیں ہے اور شاید (مقاتل) کا بھی یہی نظریہ ہے۔[۱]
عکرمہ تو اپنے نظریہ کو بازاروں میں چلا چلا کر دہرایا کرتے تھے"[۲]

عکرمہ کا قول جہاں عجیب ہے اس سے زیادہ حیرت انگیز ان کا بازاروں میں چیخ چیخ کر اعلان کرنا ہے ۔ یہ تو کسی اور ہی بات کی غمازی کرتا ہے اور دل میں شک پیدا کرتا ہے ۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کے راوی صرف دو شخص ہیں اور وہ دونوں اتنے جھوٹے مشہور ہیں کہ محدثین نے دونوں کی روایتوں کو قبول نہیں کیا اور ان کی روایتوں کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے ۔

سب سے پہلی چیز جو عکرمہ کی روایت کو قبول کرنے سے مانع ہے وہ یہ ہے کہ یہ شخص اباضی (خارجی) تھا جو مسلمانوں کے قتل کا قائل تھا ۔[۳]

یہی عکرمہ نجدۃ الحروری (خارجی) کے پاس آیا تھا اور چھ ماہ اس کے پاس

---

[۱] دلائل الصدق ج ۱ ۔ ص ۶۵

[۲] اسباب النزول ۔ واحدی ۔ ص ۲۴۰ ، ابن کثیر ج ۳ ص ۴۸۳ ، جامع البیان طبری ج ۲۲ ص ۷

[۳] الکاشف ذہبی ج ۲ ص ۲۷۶

قیام پذیر رہا تھا۔ یہ نجدہ کے عقائد کا قائل تھا (اس لیے اس کی روایت حجت نہیں ہے۔ مترجم) اب آئیے ذرا علمار مذہب کی رائے بھی عکرمہ کے لیے سن لیجیے:

ابن لهیعہ فرماتے ہیں:

"اہل مغرب میں یہی عکرمہ تھا اور کچھ لوگ جنھوں نے صفریہ کا نظریہ رائج کیا۔"

یعقوب بن یوسف فرماتے ہیں:

"میں نے ابن کبیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: مغرب جاتے ہوئے عکرمہ مصر آیا اور اس ملک کو چھوڑ کر (ملک) مغرب چلا گیا۔ مغرب کے جتنے بھی خارجی ہیں سبھوں نے اسی سے (سب کچھ) لیا ہے۔" [۱]

انھیں اسباب کی بنا پر (مالک بن انس عکرمہ کا نام لینا پسند نہیں کرتے تھے[۲]) منقول ہے کہ خالد بن ابی عمران نے فرمایا:

"حج کے زمانہ میں عکرمہ ہمارے پاس افریقہ آیا اور کہنے لگا: مجھے یہ بات بہت محبوب ہے کہ آج میں حج کے موسم میں وہاں ہوتا اور میرے دونوں ہاتھوں میں تلوار ہوتی کہ میں دائیں بائیں (مسلمانوں کو) قتل کرتا پھرتا! خالد کہتے ہیں: عکرمہ کے اس قول کے بعد سے اہل افریقہ اس سے کنارہ کش ہو گئے۔" [۳]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۷

[۲] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۷

[۳] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۷

اگر صرف یہی ایک بات ملحوظ رکھی جائے تو بھی ہمیں طویل توقف پر آمادہ کرتی ہے۔ پھر صرف یہی نہیں بلکہ یہ عکرمہ جناب عبداللہ بن عباس کا غلام تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس کا انتقال ہوا ہے جب بھی یہ غلام تھا [۱] لیکن ان کے مرتے ہی ان پر جھوٹ بول کر ان کے پورے علاقہ کو ہتھیا لیا۔ اور روایت کے سلسلہ میں تو اس نے حضرت ابن عباس کی طرف اتنی جھوٹی باتیں منسوب کیں کہ یہ جھوٹ میں ضرب المثل ہو گیا۔

یحیی البکاء فرماتے ہیں:

"میں نے عبداللہ ابن عمر کو نافع سے یہ کہتے ہوئے سنا: وائے ہو تجھ پر اے نافع! خوفِ خدا کر۔ میری طرف جھوٹ باتوں کی نسبت اس طرح نہ دینا۔ جس طرح عکرمہ عبداللہ بن عباس کی طرف دیتا ہے۔" [۲]

سعید بن المسیب سے منقول ہے۔ وہ اپنے غلام برد سے کہا کرتے تھے۔

"اے برد میری طرف جھوٹ بات منسوب نہ کرنا جس طرح عکرمہ ابن عباس کی طرف منسوب کیا کرتا ہے۔" [۳]

عبداللہ بن الحارث کہتے ہیں:

ایک مرتبہ میں علی ابن عبداللہ بن عباس کے پاس گیا تو دیکھا عکرمہ کو بیت الخلاء کے پاس باندھ رکھا ہے۔ میں نے (علی سے) کہا: کیا آپ حضرات اپنے غلاموں کے ساتھ یہی سلوک کرتے

---

[۱] صفوۃ الصفوۃ ج ۲ - ص ۱۰۳

[۲] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۷

[۳] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۷

ہیں؟ علی نے کہا: یہ میرے باپ کی طرف جھوٹ نسبت دیتا ہے؟" [1]

عکرمہ کا جھوٹ طشت از بام تھا۔

عطا خراسانی کہتے ہیں:

"میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا عکرمہ کہتا ہے جناب رسولِ خدا نے حضرت میمونہ سے حالتِ احرام میں شادی کی ہے؟
یہ سن کر سعید بولے: وہ خبیث جھوٹا ہے۔" [2]

یحییٰ بن سعید انصاری کہتے ہیں:

"عکرمہ بہت ہی جھوٹا ہے۔" [3]

مالک عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ اس سے کوئی روایت نہ لی جائے۔ [4]

احمد بن حنبل فرماتے تھے:

"عکرمہ متضاد حدیث بیان کرتے رہے ہیں۔"

ابن علیہ کہتے ہیں:

"ایوب نے عکرمہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا: وہ بے وقوف ہے [5] یہ عکرمہ مدینہ میں مرگیا تو کوئی اس کی تشییع جنازہ

---

[1] وفیات الاعیان ج ۲۔ ص ۴۲۸، تہذیب التہذیب ج ۷۔ ص ۲۶۸

[2] تہذیب التہذیب ج ۸۔ ص ۲۶۸

[3] حوالہ سابق

[4] حوالہ سابق

[5] حوالہ سابق

کے لئے نہیں آیا (مجبوراً) چار آدمیوں کو کرایہ پر حاصل کیا گیا۔"[1]

بعض اہل مدینہ کا بیان ہے

"اتفاق ہے کہ ایک ہی دن مسجد رسول ص کے دروازہ پر عکرمہ اور کثیر عزۃ (شاعر) دونوں کا جنازہ لایا گیا تو لوگ عکرمہ کے جنازہ کے لیے نہیں اٹھے اور کثیر عزۃ کے جنازہ کی تشییع کی اور عکرمہ کا جنازہ چھوڑ دیا۔"[2]

احادیث کی چھان پھٹک کرنے والے معتبر ترین لوگوں نے عکرمہ کے بارے میں جو باتیں کہی ہیں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا گیا۔ بعض اہل ثقہ عکرمہ کی روایت ہی کو رد کر دیتے ہیں اور اس سے اعراض کرتے ہیں۔ ہم بحث کو طولانی نہیں کرنا چاہتے اور عکرمہ کے بارے میں گفتگو یہیں ختم کیے دیتے ہیں۔

اب سنیئے مقاتل بن سلیمان مفسر کے بارے میں:

مقاتل کے بارے میں امام بخاری کا اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں یہ کہہ دینا ہی کافی ہے:

"یقیناً وہ کچھ نہیں ہے۔"[3]

عباس بن مصعب المروزی کہتے ہیں:

"مقاتل حافظ تفسیر تو تھا مگر اسناد کو ضبط نہیں رکھتا تھا۔"[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۶۸

[2] حوالہ سابق

[3] التاریخ الکبیر۔ بخاری ج ۸ ص ۱۴

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۰۔ ص ۲۸۰

مقاتل کا ادعا تھا کہ اس نے ضحاک بن مزاحم سے سُنا ہے اور ان کی تفسیر کی کتابیں بھی سُنی ہیں لیکن موثق ترین افراد مقاتل کے اس دعویٰ کو جھوٹا بتاتے تھے مثلاً ابن عیینہ، جویبر، ابراہیم الحربی وغیرہ اور ابراہیم الحربی تو کہا کرتے تھے:

"مقاتل بن سلیمان کی پیدائش سے چار سال پہلے ضحاک بن مزاحم کا انتقال ہو چکا تھا۔" [۱]

ابو حنیفہ فرماتے تھے:

"مقاتل اپنے مذہب میں متہم تھا۔ ہمارے پاس مشرق سے دو خبیث نظریے آئے ایک جہم کا جو تعطیلِ خدا[۲] کا قائل تھا دوسرا مقاتل کا جو خدا کی شبیہ کا قائل تھا۔" [۳]

اسحاق بن ابراہیم حنظلی فرماتے تھے:

"خراسان نے تین ایسے آدمی پیدا کیے جن کا جھوٹ بولنے و بدعت ایجاد کرنے میں دنیا میں کوئی ثانی نہیں۔ ۱۔ جہم، ۲۔ مقاتل ۳۔ عمر بن صبح۔" [۴]

خارجہ بن مصعب کہتے تھے:

"جہم و مقاتل دونوں ہم لوگوں کے نزدیک فاسق و فاجر تھے۔" [۵]

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱۰۔ ص ۲۸۱

[۲] یعنی خدا نے کائنات کی تخلیق کے بعد اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور اب خدا کا کائنات میں کوئی عمل دخل نہیں

[۳] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۸۱

[۴] حوالہ سابق

[۵] حوالہ سابق

خارجہ کہا کرتے تھے :

"میں کسی کافر ذمی یا یہودی کے قتل کو حلال نہیں جانتا لیکن اگر کسی ایسی جگہ جہاں مجھے کوئی دیکھ نہ رہا ہو ، مجھے مقاتل بن سلیمان پر قدرت حاصل ہوجائے تو اس کو ضرور قتل کردوں ۔" [1]

عبدالصمد بن عبدالوارث کہتے ہیں :

" ایک مرتبہ ہمارے پاس مقاتل بن سلیمان آیا اور اس نے عطاء کے حوالے سے حدیثیں بیان کرنی شروع کردیں پھر انھیں حدیثوں کو ضحاک کے حوالے سے بیان کیا۔ اس کے بعد انھیں حدیثوں کو عمرو بن شعیب کے واسطے سے بیان کرنا شروع کردیا تو ہم لوگوں نے اس سے کہا : آخر تم نے ان حدیثوں کو کس سے سنا ہے؟ مقاتل نے کہا : سب ہی سے سنا ہے ۔ پھر اس کے بعد بولا : نہیں ، خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کس سے سُنی ہیں ۔" [2]

وکیع کہتے ہیں : (یہ امام شافعی کے استاد تھے ۔ مترجم)

" ہم لوگوں کا ارادہ تھا کہ مقاتل کے پاس جائیں (اتفاق سے) وہ خود ہی (ہمارے شہر میں) آگیا پس ہم لوگ اس کے پاس گئے تو اس کو جھوٹا پایا لہٰذا اس سے کوئی حدیث نقل نہیں کی۔" [3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ، ص ۲۸۱

[2] حوالہ سابق

[3] حوالہ سابق

یہ مقاتل خلفاء اور حکام وقت کے لیے بلامعاوضہ رسول خدا کی طرف سے احادیث وضع کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ابو عبید اللہ وزیر المہدی کہتا ہے :

"مہدی نے مجھ سے کہا : ارے تم اس شخص کو نہیں دیکھتے کہ مجھ سے کیا کہتا ہے (اشارہ مقاتل کی طرف تھا) مہدی نے کہا: یہ شخص (مقاتل) مجھ سے کہہ رہا تھا : اگر آپ فرمائیں تو میں عباس کے لیے بہت سی احادیث جعل کر دوں !" [1]

مقاتل حضرت علیؑ کی عداوت میں مشہور تھا۔ چنانچہ اس نے ایک مرتبہ طے کر لیا کہ حضرت علیؑ نے جو فرمایا تھا (سلونی قبل ان تفقدونی) میں اس جملہ کی اہمیت لوگوں کی نظر میں کم کر دوں گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا : سَلُوْنِیْ عَمَّا دُوْنَ الْعَرْشِ حَتّٰی اُخْبِرَکُمْ بِهَا۔ (مجھ سے عرش کے نیچے کی تمام باتوں کو پوچھو تاکہ میں تم کو اس کے بارے میں خبر دوں) تو اس سے یوسف السمتی نے پوچھا :

"جب پہلی بار جناب آدمؑ نے حج کیا تھا تو ان کا سر کس نے مونڈا تھا ؟ مقاتل نے کہا : یہ تو میں نہیں جانتا۔" [2]

ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا :

"مقاتل بن سلیمان دجال اور جسور تھا۔"

امام نسائی نے کہا :

"مشہور ترین جھوٹے اور حدیث رسولؐ گھڑنے والے چار آدمی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۸۱

[2] حوالہ سابق

ہیں : ۱ - مدینہ میں ابن ابی یحییٰ ۲ - بغداد میں واقدی
۳ - خراسان میں مقاتل بن سلیمان ۴ - شام میں محمد بن سعید[۱]

عسقلانی نے مقاتل کے بارے میں کہا ہے :

" مقاتل ابن سلیمان : اس کو تمام لوگ جھوٹا سمجھتے تھے ۔ لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا اور اس کے اوپر تجسیم کا الزام تھا ۔"[۲]

(یعنی یہ خدا کو جسم و جسمانیات والا سمجھتا تھا ۔ مترجم)

یہ اجمالی طور سے عکرمہ اور مقاتل کا حال بیان کیا گیا ۔ میرا خیال ہے اب ان دونوں کے بارے میں اس سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ ان کی روایتوں کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہے ۔ اور ان دونوں نے آیت تطہیر کی جو تفسیر کی ہے آپ اس کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ لہٰذا ان دونوں کی حدیث کو چھوڑتے ہوئے اب ہم دوسری روایات کا ذکر کرتے ہیں ۔

۲ - ابن عباس کی روایت

دوسری وہ روایت ہے جس کو واحدی نے اسباب النزول کے اندر لکھا ہے اور وہ یہ ہے ۔

" ابوالقاسم عبدالرحمان بن محمد السراج کہتے ہیں : مجھ سے محمد بن یعقوب نے بیان کیا کہ ان سے حسن بن علی بن عفان نے اور ان سے ابو یحییٰ الحمانی نے اور ان سے صالح بن موسیٰ القرشی نے اور ان

---

[۱] وفیات الاعیان ج ۴ - ص ۳۴۲

[۲] تقریب التہذیب - عسقلانی ج ۲ - ص ۲۷۲

سے خصیف نے اور ان سے سعید بن جبیر نے اور سعید بن جبیر سے
ابن عباس نے بیان کیا۔ آیت : انما یرید اللّٰہ لیذھب
عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا،
ازواجِ رسولؐ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔" [1]

اس روایت میں سب سے بڑی خرابی سند کی ہے۔ اس کے بعض راوی تو مجہول ہیں اور بعض کا کتب رجال وکتب جرح وتعدیل میں کہیں ذکر نہیں ہے اور بعض ضعیف ہونے کے ساتھ ایسے ہیں جن پر جھوٹے ہونے کی نسبت دی گئی ہے مثلاً

ابویحیی الحمانی۔ یعنی عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الحمانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مرجئہ فرقہ کا عقیدہ رکھتا تھا اور خطا کار تھا۔ [2] بعض حضرات نے کہا ہے یہ مرجئہ فرقہ کا داعی تھا [3]

امام نسائی کہتے ہیں :

"یہ شخص قوی نہیں ہے۔" [4]

ابن سعد واحمد کا بیان ہے :

"یہ شخص ضعیف ہے۔"

العجلی نے کہا ہے :

"یہ کوفی ہے، ضعیف الحدیث ہے، مرجئی ہے (یعنی مرجئہ فرقہ کا فرد ہے)

---

[1] اسباب النزول۔ واحدی۔ ص ۲۳۹
[2] تقریب التہذیب ج ۱ ص ۴۶۹
[3] الکاشف۔ ذہبی ج ۲ - ص ۱۵۲
[4] تہذیب التہذیب ج ۶ - ص ۱۲۰

البتہ ابن معین نے کہا ہے :

"یہ ثقہ تو ہے مگر کم عقل ہے۔" [1]

اورخصیف جس نے سعید بن جبیر سے روایت نقل کی ہے۔ اس کو احمد نے ضعیف قرار دیا ہے۔

احمد بن حنبل نے کہا :

"یہ حجت نہیں ہے اور نہ ہی قوی الحدیث ہے۔"

ابوحاتم صالح نے کہا :

"یہ خلط ملط کر دیتا ہے اور اس کا حافظہ کمزور تھا۔"

ابن المدینی نے کہا :

"یحیٰی بن سعید اس کی احادیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔"

ابو طالب نے کہا :

"احمد سے عتاب بن بشیر کے بارے میں پوچھا گیا تو احمد نے کہا : کہ اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس نے ناپسندیدہ اور غیر معروف احادیث نقل کی ہیں۔ میرا خیال ہے یہ خصیف کی طرح کا ہے۔"

ابن معین کا قول ہے :

"ہم لوگ اس کی نقل کی ہوئی حدیث سے اجتناب کرتے تھے۔"

ابن خزیمہ کا قول ہے :

"اس کی نقل کی ہوئی حدیث کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔"

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ - ص ۱۲۰

ابو احمد حاکم کا قول ہے :

"اس کی بیان کی ہوئی احادیث مستند نہیں ہیں۔"

ابن حبان کا قول ہے :

"ہمارے ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔"[۱]

ذہبی کا قول ہے :

"خصیف بن عبدالرحمان بنی امیہ کا غلام سچ بولتا ہے (مگر) حافظہ کا خراب ہے اور احمد نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔"[۲]

اس حدیث کی سند کے بارے میں اس سے زیادہ میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا اور میرا خیال ہے کہ اس حدیث کو نقل کرنے والوں میں سے بعض کی جہالت وضعف ہی اس سے گریز کرنے کے لیے کافی ہے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایسی روایت کی انتہا ابن عباس پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ابن عباس سے حدیث کی معتبر کتابوں میں قوی، صحیح، صریح اسانید کے ساتھ آیتِ تطہیر کے نزول کو پنجتن کی شان میں، اور یہ کہ آیتِ تطہیر کے مصداق ان کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے بتایا گیا ہے اور واحدی صاحب کی دیانتداری دیکھیے کہ ان تمام صحیح وصریح روایات کو چھوڑ کر اس کمزور ضعیف روایت کو نقل کرتے ہیں۔

۳۔ واثلۃ بن الاسقع کی روایت

تیسری روایت وہ ہے جس کو ابن جریر طبری نے نقل کیا ہے :

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳۔ ص ۱۴۳، ۱۴۴

[۲] الکاشف ج ۱۔ ص ۲۸۰

"مجھ سے عبدالکریم بن ابی عمیر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں: مجھ سے ولید بن مسلم نے بیان کیا ان کا کہنا ہے مجھ سے ابو عمر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں: مجھ سے شداد ابو عمار نے بیان کیا۔ ابو عمار کہتے ہیں میں نے واثلہ بن الاسقع کو بیان کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا: میں نے حضرت علیؑ کے گھر میں ان سے حضرت علیؑ کے بارے میں سوال کیا تو جناب فاطمہؑ نے فرمایا: وہ رسولؐ خدا کو لینے گئے ہیں۔ اتنے میں رسولؐ خدا تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے۔ میں بھی ساتھ ہی داخل ہو گیا۔ رسولؐ خدا بستر پر بیٹھ گئے اور فاطمہؑ کو اپنی داہنی طرف بٹھایا اور علیؑ کو بائیں طرف بٹھایا اور حسنؑ و حسینؑ کو سامنے بٹھایا۔ اس کے بعد ان پر اپنا کپڑا ڈال دیا اور فرمایا: انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ پالنے والے یہی میرے اہل ہیں۔ پالنے والے میرے اہل سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ واثلہ کہتے ہیں: گھر کے ایک گوشے سے میں بھی بولا۔ اور میں بھی اے خدا کے رسولؐ آپ کے اہل سے ہوں۔ رسولؐ خدا نے فرمایا تو میرے اہل سے ہے۔ واثلہ کہتے ہیں: یہی وہ بات ہے جس کی میں سب سے زیادہ امید کرتا ہوں۔"[1]

ابن حجر نے اس روایت کو دوسرے اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے:

"وہ کہتے ہیں مجھ سے عبدالاعلیٰ بن واصل نے بیان کیا کہ ان سے

---

[1] جامع البیان طبری ج ۲۲ ص ۶

فضل بن دکین نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں: مجھ سے عبدالسلام بن حرب نے بیان کیا اور ان سے کلثوم المحاربی نے بیان کیا۔ ان سے ابو عمار نے بیان کیا: ابو عمار کہتے ہیں: میں واثلۃ بن الاسقع کے پاس بیٹھا تھا کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کا ذکر کیا اور ان کو گالیاں دیں جب سب لوگ اٹھ کر چلے گئے تو مجھ سے واثلۃ نے کہا: تم بیٹھو تاکہ تم کو اس شخص کے بارے میں بتاؤں جس کو ان لوگوں نے گالیاں دی ہیں۔ پھر بولا: میں رسول خداؐ کے پاس تھا کہ اتنے میں حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ آگئے۔ آنحضرتؐ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور فرمایا: خدایا! یہی میرے اہل بیت ہیں۔ پالنے والے ان سے رجس کو دور کر اور ان کو اس طرح پاکیزہ قرار دے جو پاکیزہ قرار دینے کا حق ہے۔ اس پر میں نے کہا: یا رسول اللہؐ اور میں؟ فرمایا: اور تم۔ واثلۃ کہتے ہیں: خدا کی قسم میرے نزدیک میرا سب سے مضبوط ترین عمل یہی ہے۔"[۱]

سب سے پہلی بات جو ہم کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے وہ یہ ہے کہ واثلۃ نے اس روایت کو خود بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں جو فقرہ ہے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ابن کثیر کہتے ہیں:

"امام نے مزید فرمایا: ہم سے محمد بن مصعب نے، ان سے اوزاعی نے، ان سے شداد بن عمار نے بیان کیا: میں واثلۃ بن الاسقع کے پاس حاضر ہوا۔ ان کے پاس اور بہت سے لوگ تھے۔ پھر سب

---

[۱] جامع البیان۔ ج ۲۲ ص ۶

نے علیؑ کا ذکر کیا اور ان کو گالیاں دیں، میں نے بھی (سب کے ساتھ) گالیاں دیں۔ جب سب چلے گئے تو (واثلہ نے) کہا: تم نے اس شخص (علیؓ) کو گالی دی۔ میں نے کہا: جب سب لوگوں نے گالیاں دیں تو میں نے بھی سب کے ساتھ گالی دی۔ اس پر واثلہ نے کہا: سنو! کیا میں تم کو وہ بات بتاؤں جو میں نے رسولِ خداؐ سے دیکھی ہے۔ میں نے کہا: ہاں ہاں۔ انھوں نے کہا: میں حضرت فاطمہؑ کے پاس حضرت علیؑ کو پوچھنے آیا تو آپؑ نے فرمایا: رسولِ خداؐ کے پاس گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا یہاں تک کہ خود رسولِ خداؐ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور حضرت علیؑ کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے آتے دکھائی دیے یہاں تک کہ مکان میں داخل ہوئے۔ پھر آپؐ نے علیؑ و فاطمہؑ کو اپنے سے قریب کر کے اپنے سامنے بٹھایا۔ اور حسنؑ و حسینؑ کو زانوؤں پر بٹھایا۔ پھر ان پر اپنا کپڑا یا چادر ڈال دی اور آیت تطہیر کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: پالنے والے یہی میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہل بیت زیادہ حقدار ہیں [1]

حاکم نے مستدرک میں اسی قسم کی روایت خود اپنی سند اور بشر بن بکر کے حوالے سے تحریر کی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"ہم سے اوزاعی نے اور ان سے ابو عمار نے بیان کیا ہے کہ ان سے واثلہ بن الاسقع نے بیان کیا ہے اور پھر تقریباً پہلی والی روایت

---

[1] تفسیر ابن کثیر - ج ۳ - ص ۴۸۳

ذکر کی ہے لیکن اس میں واثلہ کا اہل بیتؑ کے ضمن میں ہونے کا ذکر نہیں ہے۔[1]

یہ تینوں روایتیں جن کو ہم نے پیش کیا ان کو شداد (ابوعمار) نے واثلہ بن الاسقع کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ پہلی اور دوسری روایت میں واثلہ کو اہل بیت کے ضمن میں داخل کیا گیا ہے لیکن تیسری میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا۔

سب سے پہلے تو یہی اختلاف دل میں شبہ پیدا کرتا ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ اضافہ (واثلہ کا اہل بیت کے ضمن میں ہونا) واثلہ کا کلام نہیں ہے۔ یہ بعد میں اس کے کلام میں اضافہ کیا گیا ہے ورنہ تیسری روایت میں اس سے غفلت برتنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا جبکہ سب سے زیادہ اسی سے امید وابستہ تھی اور یہ ایسا شرف تھا جس کی برابری دنیا کا کوئی شرف نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آیت تطہیر کا ذکر کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا جائے۔

واثلہ بن الاسقع

ان باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی واثلہ کی روایات کا اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ واثلہ کا شمار اصحاب صفہ میں ہوتا تھا۔ رسول خداؐ کے وصال کے بعد یہ شام چلے گئے اور وہیں قیام پذیر ہوگئے اور جنگوں میں شریک ہوتے رہے اور ۹۲ سال کی عمر میں عبدالملک کے زمانہ میں مرگئے۔ قتادہ کہا کرتے تھے دمشق میں سب سے آخری صحابی یہی تھے جو وہاں مرے۔[2]

---

[1] مستدرک الصحیحین ج ۳ - ص ۱۴۷

[2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ - ص ۱۰۱

میری نظر میں یہ بات بعید نہیں ہے کہ بنی امیہ نے شام میں واثلہ کے وجود کو غنیمت سمجھا ہو اور اپنے سیاسی مقاصد کے لیے ان کو استعمال کیا ہو۔ چنانچہ اس کی دلیل یہ ہے کہ واثلہ سے معاویہ کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں جن کے بارے میں احادیث کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کا اجماع ہے کہ یہ سب روایات جعلی ہیں۔ مثلاً:

ابن عساکر وغیرہ نے واثلہ کے حوالہ سے رسولِ خداؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"خداوند عالم نے اپنی وحی پر جبرئیلؑ کو اور مجھے اور معاویہ کو امین بنایا ہے اور معاویہ کی امانت وکثرت علم کی بنا پر قریب تھا کہ خدا معاویہ کو نبی مبعوث کر دے۔ خدا نے معاویہ کے گناہوں کو معاف کر دیا ہے۔ اور اس کو حساب سے بچا لیا ہے، اس کو اپنی کتاب کا علم عطا کیا ہے اس کو ہادی و مہدی قرار دیا ہے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت بخشی ہے۔"[1]

حاکم کہتے ہیں:

"احمد بن عمر الدمشقی شام کے راویانِ حدیث کی بیان کی ہوئی احادیث کے عالم تھے۔ ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بڑی سختی سے انکار کیا۔"[2]

اسی واثلہ نے رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

---

[1] الغدیر۔ ج ۵۔ ص ۳۰۸۔ طبع دوم۔ اللآلی المصنوعۃ ج ۱۔ ص ۴۱۹

[2] الغدیر۔ ج ۵۔ ص ۳۰۸

"خدا کے نزدیک تین (اشخاص) امین ہیں: ۱- میں ۲- جبرئیل ۳- معاویہ۔" [۱]

نسائی اور ابن حبان نے کہا ہے:

"یہ حدیث باطل اور گھڑی ہوئی ہے۔" [۲]

سیوطی نے بھی اس حدیث کو واثلۃ بن الاسقع کے حوالے سے متعدد طرق سے نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ احادیث کی چھان پھٹک کے ماہرین کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس نے اس کو گھڑا ہے۔

بھلا دیکھیے تو لوگ اس کے پاس آ کر حضرت علیؑ پر سب شتم کرتے ہیں اور یہ چُپ رہتا ہے اور جب سب چلے جاتے ہیں تو شداد کو ڈانٹتا ہے کہ تم کیوں شریک ہوئے اور پھر آیت تطہیر کا ذکر کرتا ہے کہ یہ حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [۳]

شداد (ابو عمار)

دونوں روایتوں کو واثلۃ بن الاسقع سے یہی شداد (ابو عمار) نقل کرتا ہے یہ شداد معاویہ بن ابی سفیان کا غلام تھا [۴] اور یہی بات سب سے پہلے دل میں کھٹکتی ہے کہ معاویہ کا غلام اور فضائل اہل بیتؑ ؟ بخاری نے بھی اس کا ذکر کیا

---

[۱] اللئالی المصنوعۃ ج ۱- ص ۴۱۷

[۲] حوالہ سابق

[۳] تفسیر ابن کثیر ج ۳- ص ۴۸۳

[۴] تاریخ کبیر- بخاری ج ۴- ص ۲۲۶

ہے مگر توثیق نہیں کی اور کہا:

"یہ شخص سفر میں اپنے اونٹ ہی پر نماز پڑھ لیا کرتا تھا۔"[1]

دیگر راویوں کے ساتھ اس (شداد) نے بھی ابوہریرہ اور عوف بن مالک سے روایت کی ہے لیکن صالح بن محمد کہتے ہیں:

"اس شخص (شداد) نے ابوہریرہ سے کچھ سنا ہے اور نہ ہی عوف ابن مالک سے۔"[2] (مگر سبحان اللہ اس کے باوجود صالح بن محمد کی نظر میں سچا ہے)

ابھی آپ پڑھ ہی چکے ہوں گے کہ مجمع کے ساتھ اس نے بھی حضرت علیؓ کو سب وشتم کرنا شروع کر دیا اور جب لوگ چلے گئے تو واثلہ بن الاسقع نے جھڑکا تو اس پر جواب دیا کہ لوگ گالی دے رہے تھے لہٰذا میں بھی دینے لگا۔[3]

بھلا جس شخص کے دین کی یہ حالت ہو کہ لوگوں کو گالی دیتا دیکھ کر خود بھی گالی بکنے لگے نہ تحقیق کرے نہ دین کا خیال کرے۔ اس شخص کی روایت پر انسان کیسے اطمینان کر سکتا ہے؟

ویسے یہ بظاہر ناممکن ہے کہ یہ شخص حضرت علیؓ کو پہچانتا نہ ہو۔ ان تمام باتوں کے بعد آدمی کیسے اس روایت کو تسلیم کرے گا جس میں ہے کہ واثلہ بھی اہلِ بیتِؑ رسولؐ میں ہے حالانکہ ایسی روایات صحیحہ اور صریحہ موجود ہیں جن کی علمائے حدیث نے تصدیق بھی کی ہے اور ان کے راویوں کی توثیق بھی کی ہے اور یہ

---

[1] تاریخ کبیر۔ بخاری۔ ج ۴۔ ص ۲۲۶

[2] تہذیب التہذیب۔ ج ۴۔ ص ۳۱۷

[3] تفسیر ابن کثیر۔ ج ۳۔ ص ۴۸۳

چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیتِ تطہیر صرف رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حضرت زہراؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ان پنجتن کے علاوہ اس آیت میں دوسرا شریک نہیں ہے یہاں تک کہ امِ سلمہؓ کی روایت کی بنا پر وہ ان میں داخل ہونا چاہتی تھیں تو رسولِ خدا نے انکار کر دیا اور فرمایا:

" تم خیر پر ہو مگر یہ جگہ تمھاری نہیں ہے۔"

۴۔ حضرت اُمّ سلمہؓ کی روایت

ابن جریر نے ابی کریب سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا:

" ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، انھوں نے کہا: مجھ سے موسیٰ بن یعقوب نے بیان کیا: انھوں نے کہا: مجھ سے ہاشم بن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا: مجھ سے عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے بیان کیا کہ مجھ کو ام سلمہ نے بتایا: رسولؐ خدا نے علیؑ اور حسنینؑ کو جمع کیا پھر ان کو اپنے کپڑے کے نیچے داخل کر کے خدا کی پناہ لی پھر فرمایا: یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ ام سلمہ نے کہا: اے رسولؐ خدا مجھے بھی ان کے ساتھ داخل فرمالیجیے۔ فرمایا: تم میری بیوی ہو۔" [1]

اس روایت کی سند میں ایک تو موسیٰ بن یعقوب ہے دوسرے خالد بن مخلد ہے۔ پہلے شخص سے مراد موسیٰ بن یعقوب بن عبداللہ بن وہب بن زمعہ بن الاسود ہے۔ اس شخص کے بارے میں علی بن المدینی نے کہا ہے:

---

[1] تفسیر جامع البیان - ج ۲۲ ص ۷

"یہ ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے ۔"

نسائی نے کہا ہے :

"یہ شخص قوی الحدیث نہیں ہے ۔"

الاثرم کا بیان ہے :

"میں نے اس کے بارے میں احمد سے پوچھا تو جیسے ان کو یہ شخص پسند نہیں آیا ۔"

اور ساجی نے کہا :

"احمد و یحییٰ اس شخص کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں ۔"

احمد نے کہا :

"مجھے یہ شخص پسند نہیں ہے ۔"

ابن القطان نے کہا :

"یہ شخص ثقہ ہے ۔" [1]

اب رہا دوسرا شخص خالد بن مخلد القطوانی ابو الہیثم البجلی تو عبد اللہ بن احمد نے اپنے باپ کے حوالہ سے کہا :

"اس شخص کی حدیثیں ناپسندیدہ ہیں ۔ اور ابو الولید الباجی نے رجال البخاری میں ابن حاتم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا : خالد بن مخلد کی روایات غیر معروف روایات (کا مجموعہ) ہیں ۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے : اس کی حدیثیں لکھی جا سکتی ہیں لیکن ان سے حجت پیش نہیں کی جا سکتی ۔ ساجی اور

---

[1] تہذیب التہذیب ۔ ج ۱۰ ۔ ص ۳۷۸ ۔ ۳۷۹

عقیلی نے اس کا ذکر ضعیف حدیث بیان کرنے والوں میں کیا ہے[۱]:

میں اس روایت کے بارے میں زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا اور نہ اس روایت کے ان دونوں۔ موسیٰ وخالد۔ کے علاوہ دیگر رجال سند سے تعرض کرنا چاہتا ہوں کیونکہ حضرت ام سلمہؓ سے بہت سی ایسی صریح وصحیح احادیث مروی ہیں جو اس روایت کی تردید کے لیے کافی ہیں۔ کچھ روایات کا ذکر تو پہلے ہی آچکا ہے اور بعض کا اسی رسالہ میں بعد میں آئے گا۔ اور بہت سی صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ ام سلمہؓ نے تمنا کی کہ مجھے بھی اہل بیت کے ضمن میں لے لیا جائے۔ جن کے بارے میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے لیکن رسول خداؐ نے بہت نرمی سے رد کر دیا اور فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو۔ تم خیر پر ہو یا تم رسولؐ کی زوجہ ہو لیکن اہل بیت میں داخل نہیں۔

اور یہ کوئی انصاف نہیں ہے کہ جناب ام سلمہؓ نے جتنی بھی روایات نقل کی ہیں اور جن کو ان سے ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے اور ائمہ حدیث نے تصدیق کی ہے ان سب کو تو چھوڑ دیں اور اس ضعیف السند روایت کو قبول کریں۔

۵۔ ابن حجر الہیثمی کی روایت

ابن حجر ہیثمی نے نقل کیا ہے:

"رسول خداؐ نے اپنے اور عباس کے اوپر ایک چادر ڈال کر فرمایا:

خدایا یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے بھائی ہیں اور یہ سب میرے اہل بیت ہیں۔ ان کو آتش جہنم سے اسی طرح چھپالے جس طرح میری اس چادر نے چھپالیا ہے۔ (یہ سن کر) دروازے

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳۔ ص ۱۱۷، ۱۱۸

کی چوکھٹ (بازو) اور گھر کی دیواروں نے تین مرتبہ آمین کہی۔[1]

اس روایت کو ابن حجر نے بغیر اسناد کے تحریر کیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کس حدیث کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے تاکہ حدیث کی سند کو دیکھتا کیسی ہے؟ صواعق محرقہ کے علاوہ کسی معتبر کتاب میں اس روایت کو نہ سند کے ساتھ اور نہ بغیر سند کے دیکھا ہے۔ اور یہی چیز اس حدیث کے ضعف کے لیے کافی ہے۔

اس کے علاوہ اگر سند سے چشم پوشی بھی کرلی جائے تب بھی روایت کے الفاظ اس کو ترک کرنے اور اعراض کرنے کے لیے کافی ہیں۔

گمان غالب ہے کہ عباسی خلفاء کے دور میں جب لوگ خلفاء سے قربت حاصل کرنے کے لیے ان کی فضیلتوں میں جعلی حدیثیں بنا بنا کر پیش کیا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں یہ حدیث بھی وضع کی گئی ہے۔ اس سے قطع نظر کسی معتبر مصدر میں نہ یہ روایت مذکور ہے اور نہ اس کی سند کا ذکر ہے۔ دروازہ کی چوکھٹ اور بازو کا دعائے رسولؐ کے بعد تین مرتبہ آمین کہنا اور اسی طرح مکان کی دیواروں کا تین مرتبہ آمین کہنا ہی روایت کو ضعیف اور جعلی ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس کی کوئی سند تک مذکور نہیں۔

جو صحیح وصریح روایات آیت تطہیر کو رسولِ خداؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، امام حسنؑ و امام حسینؑ کے لیے مخصوص کرتی ہیں ان کے مضمون کے خلاف جو روایات ہیں ان میں سے اہم یہی پانچ روایتیں ہیں جو ہم کو ملی ہیں اور ان پانچوں میں عکرمہ کی روایت آیت تطہیر کو صرف ازواج رسولؐ کے لیے منحصر کرتی ہے اور ابن عباس و واثلہ کی روایات ازواج کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتی ہیں اور یہ سب روایات متن و سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں یہ کسی بھی طرح ان صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو آیتِ تطہیر

---

[1] الصواعق المحرقہ۔ ابن حجر ہیثمی ص ۱۴۴

کو پنجتن پاک کے لیے مخصوص کرتی ہیں۔

لُغت وحدیث میں آل واہل کا استعمال

حدیث ولغت کی کتابوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ (آل) اور (اہل) کا اطلاق بغیر کسی قرینہ کے بیوی پر نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کلام میں کوئی قرینہ نہ ہو تو آل اور اہل کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو قریبی نسب کے ذریعہ متصل ہوں۔

۱۔ ابن منظور (لسان العرب میں) آل اور (اہل) کی دلالت زوجہ پر ہوتی ہے کہ نہیں۔ اس سلسلہ میں کہتے ہیں:

" یہ معنی لغوی لحاظ سے کیے جا سکتے ہیں اور ماہرین لسان اس کا احتمال دیتے ہیں۔ لیکن کلام کا یہ مطلب و معنی معروف و مشہور نہیں ہے۔ البتہ اگر اس کلام میں ایسا سبب (وقرینہ) ہو (تب آل کے معنی اور اہل کے معنی بیوی کے ہوتے ہیں) مثلاً آپ کسی سے سوال کریں: تزوجت؟ (کیا تم نے شادی کرلی) اور وہ کہے: مَا تَاَهَّلْتُ (میں نے بیوی نہیں کی) تو پہلے والے کلام (یعنی تزوجت) کی وجہ سے تاھلت میں معنی بیوی کے ہوں گے یا کوئی شخص کہے: اجنبت من اھلی (میں اپنے اہل سے مجنب ہوگیا) تو معلوم ہوگا کہ اہل کے معنی بیوی کے ہیں کیونکہ جنابت بیوی سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ابتداً یہ کہے: اھلی ببلد کذا، فاناازور باھلی، انا کریم الاھل۔ تو لوگ اس سے (بیوی نہیں سمجھیں گے بلکہ) اہل البیت (یعنی قریبی نسبی رشتہ دار)

سمجھیں گے ۔"[1]

اس کا خلاصہ اس طرح ہوا: آل اور اہل کا کلمہ انسان کے قریبی نسبی رشتہ داروں پر بولا جاتا ہے۔ ہاں اگر کلام میں کوئی قرینہ موجود ہو تو آل و اہل سے زوجہ مراد لی جا سکتی ہے جیسے کوئی کہے اَجْنَبْتُ مِنْ اَھْلِیْ (یہاں جنابت قرینہ ہے کہ اہل سے مراد بیوی ہے) اس سے پتہ چلا کہ آل کا اطلاق زوجہ پر حقیقی نہیں مجازی ہے جس کے لیے ایک ایسے قرینہ کی ضرورت ہے جو معنی حقیقی مراد لینے سے مانع ہو۔

۲- ابن اثیر کہتے ہیں:

"آل نبیؐ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر کا نظریہ ہے کہ آپؐ کے اہل بیت ہی آل محمدؐ ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں: یہ حدیث "لاتحل الصدقة لمحمدؐ وآل محمدؐ" "محمدؐ و آل محمدؐ کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے) دلالت کرتی ہے کہ آل محمدؐ وہی حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور صدقہ کے عوض ان کے لیے خمس رکھا گیا ہے اور وہ بنی ہاشم و بنی مطلب کی صلبی اولاد ہیں۔"[2]

یہی مطلب مسلم نے اپنی صحیح میں یزید بن حیان سے نقل کیا ہے:

"یزید بن حیان کہتے ہیں: میں اور حصین بن سبرۃ اور عمر بن مسلم زید بن ارقم کے پاس گئے۔ جب ہم لوگ بیٹھ گئے تو حصین نے کہا: اے زید آپ نے تو خیر کثیر حاصل کیا ہے آپ نے رسولِ خدا کی

---

[1] لسان العرب ج ۱۱- ص ۳۸

[2] النھایۃ ج ۱- ص ۸۱

زیارت کی ہے، ان سے حدیث سنی ہے، ان کے ساتھ رہ کر جنگ لڑی ہے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھی ہے (واقعی) آپ نے خیر کثیر حاصل کیا ہے! اے زید آپ نے رسولؐ خدا سے جو سنا ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی سنائیے۔ زید نے کہا: اے بھتیجے بخدا میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور زمانہ بھی بہت گزر چکا ہے رسولِ خدا سے جو چیزیں یاد کی تھیں ان میں سے بعض کو بھول گیا ہوں لہٰذا میں جو بیان کروں اس کو قبول کر لو (سن لو) اور جو نہ بیان کروں اس کی مجھے تکلیف نہ دو۔
اس کے بعد زید بن ارقم نے فرمایا: ایک دن رسولؐ خدا نے ایک چشمہ پر جس کو خم کہا جاتا ہے۔ ہم لوگوں کو خطبہ دیا۔ یہ خم مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے پہلے تو حمد و ثنائے الٰہی بیان کی۔ پھر وعظ و ذکر کیا اس کے بعد فرمایا اما بعد اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں۔ میرے پاس بھی خدا کا پیغام آسکتا ہے اور میں قبول کر سکتا ہوں۔ میں تمہارے درمیان ثقلین چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک تو خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نور ہے لہٰذا کتاب خدا پر اپنی گرفت مضبوط کرو اور اس سے تمسک کرو۔ آپؐ نے لوگوں کو کتاب خدا پر (عمل کے لیے) ابھارا اور اس کے بارے میں رغبت دلائی۔ پھر فرمایا (اور دوسری چیز) میرے اہل بیتؑ ہیں تم کو اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں تاکید کرتا ہوں، اپنے اہل بیت کے بارے میں یاد دہانی کراتا ہوں حصین نے کہا: اے زید! رسولؐ خدا کے کون اہل بیت ہیں؟ کیا

آپ کی ازواج آپ کی اہل بیت سے نہیں ہیں؟ زید نے کہا:
ازواج رسولؐ آنحضرتؐ کے اہل بیت سے ہیں۔ لیکن آنحضرتؐ کے
اہل بیت وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں جس کو مسلم نے زید سے روایت کیا ہے ثقلین کے بارے میں یہی سب کچھ ہے لیکن اس کے آخر میں ہے۔

"پھر ہم سب نے کہا: آنحضرتؐ کے اہل بیت میں ان کی بیویاں
بھی شامل ہیں؟ زید نے کہا: نہیں۔ خدا کی قسم بیوی اپنے شوہر
کے ساتھ ایک مدت تو ضرور رہتی ہے۔ لیکن اگر مرد اس کو طلاق
دے دے تو وہ اپنے ماں باپ اور اپنے قوم و قبیلہ میں آجاتی ہے
اہل بیتؑ تو وہ خاندان والے ہیں جن پر آنحضرتؐ کے بعد (بھی)
صدقہ حرام ہے۔" [1]

ہم نے لغت اور حدیث کا حوالہ صرف اس لیے دیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ازواج پر آل و اہل کا اطلاق بطور مجاز ہوا کرتا ہے اس لیے جب بھی بغیر کسی قید یا قرینہ کے یہ لفظ (آل یا اہل) بولا جائے گا اس سے صرف انسان کے قریبی نسبی رشتہ دار ہی مراد ہوں گے۔

اور جن اہل بیتؑ کا تذکرہ آیت تطہیر میں کیا گیا ہے ان سے صرف پنجتن پاک مُراد ہیں۔ رسولِ خدا کے نہ دیگر نسبی رشتہ دار مُراد ہیں نہ کوئی سببی رشتہ دار مراد ہیں۔ اور یہی یقینی بات ہے جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا اور بعد میں بھی ذکر کیا جائے گا۔

---

[1] الجامع الصحیح۔ مسلم بن حجاج ج ۷ ص ۱۲۲، ۱۲۳۔ کتاب الفضائل باب فضائل علی ابن ابی طالب۔ ابن کثیر نے بھی دونوں حدیثوں کو اپنی تفسیر میں ج ۳ ص ۴۸۶ پر ذکر کیا ہے۔

آیتِ تطہیر کا سیاق و سباق

اب رہا سورۂ احزاب میں آیتِ تطہیر کا امہات المومنین سے متعلق آیات کے سیاق میں واقع ہونا اور اس سے ازواجِ رسولؐ کے آیتِ تطہیر میں داخل ہونے پر استدلال کرنا۔ تو یہ بقول علامہ شرف الدینؒ نص کے مقابلہ میں اجتہاد ہے جو نہ کسی کے لیے حلال ہے اور نہ ہی جائز ہے [1]

سیاق آیت سے تمسک کرنا ایک قسم کا اجتہاد و استحسان ہے جو سیاق کلام کے اتحاد سے پیدا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر اس سیاق سے ان نصوص صحیحہ و صریحہ کے مقابلہ میں کسی طرح استدلال نہیں کیا جا سکتا جن کی دلالت اس بات پر ہے کہ آیت تطہیر کا انحصار صرف پنجتن پاک میں ہے۔

چونکہ مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہوئی ہے اس لیے بھی اگر نصوص صحیحہ اور سیاق میں تعارض ہو تو سیاق کو ترجیح نہیں دی جا سکتی کیونکہ یہ بات یقینی نہیں ہے کہ آیت اسی سیاق میں نازل ہوئی ہے۔ اسی لیے اگر سیاق آیت کے مفہوم کا ظہور ان حضرات کے خیال کے مطابق تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی یہاں پر سیاق آیت کے مفہوم کا ترک واجب ہو گا اور واضح دلائل اور قطعی براہین کے سامنے سر تسلیم خم کرنا واجب ہو گا [2]

اس کے علاوہ آیت کریمہ سے پہلے اور اس کے بعد کی آیتوں کی ضمیروں کا اختلاف وحدتِ سیاق کی بنیاد کو متزلزل کر دیتا ہے۔ آپ کی آسانی کے لیے آیت تطہیر اور اس سے پہلے

---

[1] الکلمۃ الغراء ص ۲۱۳

[2] الکلمۃ الغراء ص ۲۱۳

اور بعد کی آیتوں کو ذکر کرکے ان کا ترجمہ بھی پیش کئے دیتے ہیں لہٰذا آپ غور سے پڑھیئے اور مذکر و مؤنث کی ضمیروں کا فرق سمجھیئے اور ہم سیاق والی بات قاری کے انصاف پسند ذہن کے حوالہ کرتے ہیں:

- يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝ [1]

- اے نبیؐ کی بی بیو تم اور معمولی عورتوں کی سی تو ہو نہیں (پس) اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو (اجنبی آدمی سے) بات کرنے میں نرم نرم (لگی لپٹی) بات نہ کرو تاکہ جس کے دل میں (شہوت زنا کا) مرض ہے وہ (کچھ اور) آرزو (نہ) کرے اور اصاف صاف (شائستہ عنوان سے بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں نچلی بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو اور

---

[1] سورہ احزاب ۳۳ آیات ۳۲ تا ۳۴

پابندی سے نماز پڑھا کرو اور برابر زکوٰۃ دیا کرو اور خدا اور
اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اے (پیغمبرؐ کے) اہل بیتؑ خدا تو
بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے اور
جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے اور
(اے نبیؐ کی بی بیو) تمھارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور
(عقل و) حکمت (کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔
بے شک خدا بڑا باریک بیں واقف کار ہے۔ ؎

لہٰذا آپ نے خود ہی ملاحظہ فرما لیا کہ آیت تطہیر سے پہلے اور بعد کی ضمیریں جمع مؤنث کی ہیں جن سے ازواج رسولؐ مراد ہیں اگر آیت تطہیر سے بھی ازواج مراد ہوتیں تو جمع مؤنث کے صیغے لائے جاتے۔ لیکن آیت تطہیر میں ایسے افراد مراد ہیں جن میں مذکر کی تعداد زیادہ ہے اس لیے جمع مذکر کے صیغے استعمال کیے گئے۔ کیا اس کے بعد بھی قاری کی نظر میں وحدت سیاق باقی ہے جو قطعی دلائل سے ٹکرائے۔

مزید برآں خود آیت تطہیر تنہا ان اہل بیت کی تحدید کے لیے کافی ہے جن سے رجس دور کیا گیا ہے کیونکہ آیت کے فقرات کی تفسیر میں جو صحیح احادیث پہلے پیش کی جا چکی ہیں وہ صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل بیتؑ پاک ہیں اور ہر رجس سے منزہ ہیں کیونکہ خدا نے ارادہ کر لیا ہے کہ ہر گناہ کبیرہ و صغیرہ اور خدا کی ہر قسم کی معصیت

؎ اس میں لستن، اتقیتن، تخضعن، قلن، قرن، بیوتکن، تبرجن، اقمن، آتین، اطعن یہ سب صیغے جمع مؤنث کے ہیں جو آیت تطہیر سے پہلے ہیں اور آیت تطہیر عنکم اور یطہرکم آیا ہے۔ یہ دونوں صیغے جمع مذکر کے ہیں۔ اس کے بعد یعنی آیت تطہیر کے بعد پھر واذکرن، بیوتکن آیا ہے یہ دونوں جمع مؤنث کے صیغے ہیں (مترجم)

سے مبرا ہیں اور یہی عصمت ہے۔

آیتِ تطہیر اہل بیتؑ کی عصمت کو ثابت کرتی ہے اور اس حقیقت کو ثابت کر دینے کے بعد ان اہل بیتؑ کی معرفت بہت آسان ہو جاتی ہے جن سے رجس کو دور رکھا گیا ہے اور جن کو پاک و پاکیزہ قرار دیا گیا ہے۔

لیجیے اب ہم اہل البیت میں جتنے احتمالات ہیں اور جن جن حضرات کے اہل بیتؑ میں داخل ہونے کا احتمال ہے مثلاً ازواجِ رسولؐ، آلِ علیؑ، آلِ عقیلؑ، آلِ جعفر، آلِ عباس وغیرہ سب کا ذکر کر کے ہر احتمال کا (سوائے ایک کے) بطلان پیش کرتے ہیں۔

یہاں پر میں صرف دو سوال کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ———— جن لوگوں کے اہل بیتؑ میں شمول کا احتمال ہے ان میں سے کون ایسے ہیں جو ہر رجس و گناہ سے معصوم ہیں؟

(۲) ———— اور اگر کچھ لوگ دعوائے عصمت کرتے ہیں تو کیا ان کا عمل ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں؟

اس کے لیے ہم کو ہر ایک کی تاریخ حیات کھنگالنا پڑے گی کہ آیا وہ اپنے دعویٰ میں سچا تھا یا نہیں؟

آیتِ تطہیر کے مصداق کی سب سے بڑی کسوٹی یہی سوال ہے — اور جب ہم نے تمام لوگوں کی تاریخِ حیات کا مطالعہ کیا تو حضرت رسول خداؐ، حضرت علی مرتضیٰؑ، حضرت زہراؑ، حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اور حضرت امام حسینؑ شہید کربلا کے علاوہ کوئی بھی اس معیار پر پورا نہیں اُترا اور نہ ہی اس کسوٹی پر کوئی ان حضرات کے علاوہ کھرا ثابت ہوا۔ چنانچہ رسول خداؐ کی طرف جو لوگ نسباً منسوب ہیں جیسے آلِ عقیلؑ

آلِ جعفر، آلِ عباس وغیرہ یا سبباً منسوب ہیں جیسے ازواجِ رسولؐ خدا۔ ان میں سے کسی نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ معصوم ہے اور خدا نے اس سے رجس دور کر دیا ہے۔

واقعی یہ بہت بڑا اور مشکل دعویٰ ہے کہ انسان کو اپنے نفس پر اعتمادِ کامل ہو اور وہ وثوق سے کہہ سکے کہ وہ اپنی پوری زندگی میں خواہ سختی ہو یا نرمی، آسانی ہو یا تنگی وسعت ہو یا فقیری، عام حالات ہوں یا غیظ وغضب میں، کسی بھی حالت میں خدا کی مخالفت نہیں کرے گا نہ کبیرہ نہ صغیرہ۔

جن لوگوں کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ آلِ رسولؐ ہیں ان میں سے کسی کے ہاں بھی ہم نے یہ دعویٰ نہ دیکھا نہ سنا۔

صرف پنجتن کے لیے تو عصرِ نزول آیت سے ملتا ہے کہ ان لوگوں نے یہ دعویٰ کیا اور ان کی زندگی نے ان کے دعویٰ کی تصدیق کی۔ اور یہ حضرات وہی ہیں جن کے لیے مفسرین کا کہنا ہے کہ آیتِ تطہیر کا شمول ان کے لیے بھی ہے۔

جن لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اہل البیت ہیں خدا نے ان سے رجس دور کر دیا ہے ان کی زندگی میں ایسی ایسی معصیت اور مخالفتِ الٰہی ملتی ہیں جو تقویٰ سے متصادم ہیں۔ چہ جائیکہ انھیں معصوم قرار دیا جائے۔

پس پنجتن پاک۔ رسولِ خداؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جو معصوم ہو اور باتفاقِ روایات آیتِ تطہیر کا مصداق ہو۔ نیز ان حضرات کے اوپر پہلے ذکر شدہ دونوں شرطیں بھی منطبق ہوتی ہیں۔

○ یعنی ان حضرات نے عصمت کا دعویٰ کیا جیسا کہ آگے آئے گا اور ان کے علاوہ کسی نے ازواجِ رسولؐ ہوں یا کوئی اور عصمت کا کسی نے دعویٰ نہیں کیا۔

○ ان کی پوری زندگی پر گہری نظر ڈالی جائے اور چاہے جتنا تلاش کیا جائے۔

کسی قسم کی معصیت کا وجود نہیں ملتا۔ ان حضرات کا دعوائے عصمت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں تھی لیکن اس کے باوجود زندگی کے کسی گوشہ میں کسی مرحلہ پر دشمن بھی ان میں معصیت کا وجود ثابت نہ کرسکا۔ حالانکہ ان حضرات کی زندگی کوئی گوشہ نشینی کی زندگی نہیں تھی بلکہ لوگوں کی طرح عام لوگوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے۔ حیاتِ اجتماعی کے قائل تھے۔ ان حضرات کے اعمال اور ان کا کردار لوگوں کے سامنے تھا۔ اگر ان سے ایک بھی مخالفت یا معصیت کلام میں، عمل میں، موقف میں سرزد ہوئی ہوتی تو جس طرح تاریخ نے تمام چیزوں کو نقل کیا ہے اس کو بھی نقل کرتی اور وہ چیز ہم تک پہنچتی۔ پس معلوم ہوا کہ اہل بیت کا انحصار پنجتن پاک علیہم السلام میں ہے۔

ہمارے سابقہ بیانات سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) ــــــ عکرمہ کی روایت کے علاوہ جس کی حالت معلوم ہے تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیتِ تطہیر میں یہ پانچ حضرات (رسولؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنینؑ) شامل ہیں پس آیتِ کریمہ کا شمول ان حضرات کے لیے بہرصورت اجماعی و متفقہ ہے۔ خواہ روایات کے اعتبار سے دیکھا جائے خواہ اطلاقِ کلمہ اہل البیت کے اعتبار سے دیکھا جائے۔

لیکن زوجاتِ رسولِ خدا اور آنحضرتؐ کے دیگر رشتہ داروں پر آیت کا شمول صرف اطلاقِ کلمہ اہل البیت کے استناد پر ہوتا ہے اور اطلاقِ کلمۂ اہل البیت کی طرف استناد صرف اجتہاد ہے جو اپنی جگہ مقبول ہے۔ مگر جب ان نصوص صریحہ کے مقابلہ میں آئے جو اہل بیت کو پانچ افراد میں منحصر کرتی ہیں تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔

(۲) —— احادیث ونصوص سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو آیتِ کریمہ کا اطلاق پنجتن پاکؑ، امہات المومنین، دیگر قرابتدارانِ رسولؐ سب پر برابر صادق ہے۔ لیکن آیتِ کریمہ نے اہل بیت کی ایک پہچان بتائی ہے کہ وہ معصوم ہوں گے۔ ان سے رجس یقینی طور سے دور ہوگا۔ اور یہ بہترین قسم کی کسوٹی ہے۔ اب جو معصوم ہے وہ اہل بیت کا مصداق ہے اور جو عصمت کا مدعی نہیں ہے یا مدعی ہے لیکن اس کا عمل خلافِ عصمت ہے وہ اس آیت سے خارج ہے۔

(۳) —— امہات المومنین اور دیگر قرابتدارانِ رسولؐ (علاوہ پنجتنؑ کے) کو دیکھیے تو یہ شرط ان میں سے کسی کے اندر نہیں پائی جاتی اور نہ ہی ان لوگوں نے دعویٰ کیا ہے پس آیتِ تطہیر کا مصداق پنجتن کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔

ہر انسان اپنے بارے میں دوسرے سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر دوسروں میں بھی یہ عطائے الٰہی (عصمت) ہوتی تو یہ بات مشہور ہو جاتی۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کی زندگیاں گناہانِ کبیرہ وصغیرہ سے پُر ہیں جس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ معصوم نہیں ہیں اور جہاں یہ یقین ہوا اسی کے ساتھ یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حضرات آیتِ تطہیر کے مصداق نہیں ہیں۔ پس معصوم ہستیاں ہی آیتِ تطہیر میں داخل ہیں۔

(۴) —— البتہ پنجتن پاک نے دعوائے عصمت کیا اور ہر شخص بڑی آسانی کے ساتھ ان کے کلام سے عصمتِ مطلقہ کے ادعا کا پتہ لگا سکتا ہے اور پھر ان کی پوری زندگی دیکھ ڈالیے تو اجتماعی زندگی اور سیاسی

حالات، دشمنی، ظلم وستم سے دوچار ہونے کے باوجود کہیں بھی ان حضرات سے خلافِ عصمت کوئی بات نہیں ملتی۔ حالانکہ ان کے ساتھ ایسی مجبوریاں اور ایسے حالات تھے جہاں عصمت کی خلاف ورزی کے مواقع واسباب بہت تھے مگر پھر بھی ان کا دامن داغدار نہیں ہو پایا۔ صرف ادعائے عصمت ہی کی وجہ سے دشمنوں کی طرف سے مصائب کے پہاڑ توڑے گئے تھے تاکہ ان کی شخصیتوں کو مجروح کر دیا جائے مگر جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے۔

لہٰذا متواتر احادیث جو آیت کی تفسیر میں آئی ہیں اور اہل بیت کی تشخیص کرتی ہیں ان سب سے آنکھیں بند کر لی جائیں تب بھی صرف آیت تطہیر ہی ان اہل بیت کی تشخیص کے لیے کافی ہے جن سے رجس کو دور کر دیا گیا ہے اور جو معصوم ہیں۔

يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً

لیذھب عنکم الرجس کے بعد یطھرکم تطھیراً کہنے کا مطلب تنزیہ وتطہیر میں مبالغہ اور اثباتِ عصمت ہے گویا آیت یہ بتانا چاہتی ہے کہ خداوند عالم نے جب رجس دور کر دیا تو ان کے نفوس وقلوب ہر قسم کے رجس وگناہ سے خالی ہو گئے اب اس کے بعد ان کے قلوب کو آثار رجس سے بھی پاک کر دیا۔ لہٰذا ان کے دلوں میں نہ رجس رہا نہ اثرِ رجس رہا نہ معمولی نہ ضعیف۔ کیونکہ رجس دور کر دینے کا مطلب ہمیشہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ اب نفس میں اس کے آثار وتعلقات بھی باقی نہیں رہے اس لیے اہل بیتؑ کے سلسلہ میں اذہاب کے بعد یطہرکم تطہیرا بھی کہہ دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے نفوس میں آثار بھی نہیں رہے۔ یعنی نہ گناہ نہ رجس نہ ان کے آثار کچھ بھی نہیں رہے۔

مقام عصمت، اور ولی اللہ کی نزاہت و روحانی بلندی کا اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا اور یہ مرتبہ خدا صرف ان لوگوں کو دیتا ہے جن کو رسولؐ بناتا ہے یا مخلوق کا امام بناتا ہے۔ کسی اور انسان سے خدا رجس دور کر کے اس طرح طاہر نہیں بناتا۔

اگر ہم قرآن کو صرف ایک عربی زبان تسلیم کریں تب بھی آیت کی دلالت عصمت پر ہوتی ہے چہ جائیکہ اس کو افضل الکلام تسلیم کریں۔

اور انما یرید اللہ الخ جس طرح عصمت پر دلالت کرتا ہے اہل بیت کی پنجتنؑ میں حد بندی بھی کر دیتا ہے۔

——— ☼ — ☼ — ☼ ———

بحث کے نتائج

جھوٹ سے برائت

آیتِ تطہیر کی بحث کا سب سے اہم نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ بیتؑ (حضرت رسولِ خداؐ، حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ، حسنین علیہم السلام) صادق ہیں نہ ان کے جھوٹ بولنے کا امکان ہے نہ ان کی طرف جھوٹ کی نسبت دی جاسکتی ہے کیونکہ جھوٹ بدترین برائی ہے جس سے خدا نے ان حضرات کو پاک قرار دیا ہے اور خدا نے ان لوگوں کو جو طہارتِ نفس بخشی ہے اس کا اولین تقاضہ یہی ہے۔

لہٰذا اگر صحیح طریقے سے ان کا کوئی قول یا روایت ہم تک پہنچے تو پھر اس میں جھوٹ کا امکان ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرات سچے ہیں ان کی طرف جھوٹ کی نسبت بھی نہیں دی جاسکتی اور نہ ان کے کلام کی سچائی یا روایت کی صداقت میں شک کیا جا سکتا ہے۔ ان کے قول یا ان کی روایت کو جھوٹا قرار دینے کا مطلب آیتِ تطہیر کو جھوٹا

قرار دینا ہے۔

اور اسی راستہ سے ہم اہلِ بیتؑ کا مرتبہ و مقام بھی بیان کر سکتے ہیں اور ان کی شخصیات کو ہر زمانہ میں معیّن و مشخص بھی کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے ان کو ہر زمانہ کا امام اور اپنے دین کا رہبر بنایا ہے۔

ذیل میں ہم چند امور کو بہت ہی اختصار سے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ رسولِ خدا کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت و امامت

جس شخص نے بھی حضرت علیؑ کی سیرت کو پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ رسولِ خداؐ کے بعد امت کی امامت و قیادت کے اہل و مستحق آپؑ ہی تھے۔

لیکن اس کے باوجود حضرت علیؑ نے رسولِ خداؐ کی وفات کے بعد ان کے امورِ سلطنت کو یکے بعد دیگرے سنبھالنے والوں سے مخالفت مول نہیں لی بلکہ حتی الامکان ان کا دفاع کرتے رہے، ان کو نصیحت کرتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہو، وحدتِ کلمہ باقی رہے، اتحاد بین المسلمین پارہ پارہ نہ ہو کیونکہ اتحاد بین المسلمین میں رخنہ اندازی کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

اور اسی لیے جب ابوسفیان نے کہا:

"اے علیؑ! اگر آپؑ اپنا حق لینا چاہیں اور اپنی بیعت لینے پر تیار ہوں تو میں مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں جو آپ کے لیے جنگ کریں گے۔"

لیکن آپؑ نے اس کو یہ کہہ کر ڈانٹ دیا کہ تم کب سے اسلام کے مخلص ہو گئے۔ آپؑ کا یہ موقف اسی وحدت کے تحفظ کے لیے تھا۔

اور اسی لیے جب آپؑ کے چچا عباس نے کہا :

" علیؑ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تمھاری بیعت کرتا ہوں اور پھر لوگ کہیں گے رسولؐ کے چچا نے رسولؐ کے بھائی کی بیعت کر لی اس لیے سب تمھاری بیعت کر لیں گے۔"

مگر آپؑ نے ٹال دیا تاکہ مسلمانوں کا اتحاد باقی رہے اور حکومتِ اسلامی سلامت رہے۔

لیکن لوگوں کے اس رویہ سے آپؑ کو دلی صدمہ پہنچا جس کا اظہار آپؑ نے اپنے خطبۂ شقشقیہ میں فرمایا ہے۔ لیجیے اس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے :

" خدا کی قسم فرزندِ ابو قحافہ نے کھینچ تان کر پیراہنِ خلافت پہن ہی لیا حالانکہ اس کو میرے بارے میں اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس لوہے کا ہوتا ہے جس کے گرد وہ گھومتی ہے۔ میں وہ (کوہِ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ ڈال دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کر دیا کہ آیا میں اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کر دوں یا اس بھیانک ترین تیرگی پر صبر کر لوں جس میں بوڑھا پھونس اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن جدوجہد کرتا ہوا اپنے رب کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ پس میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس اندھیرے پر صبر کرنا ہی بہتر ہے لہٰذا میں نے اس حالت میں صبر کیا کہ آنکھوں میں (غبارِ اندوہ کی) خلش تھی اور حلق

ہیں (رنج وغم کے) پھندے لگے ہوئے تھے اور میں اپنی میراث لٹتی ہوئی دیکھ رہا تھا ... الخ "[1]

اہلِ بیتؑ کی روایات سے

حضرتِ علیؑ کی خلافت

حضرت علیؑ سے بطور تواتر نقل ہے کہ رسولِ خداؐ نے آپؑ کو اپنے بعد کے لیے اپنا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام معین فرمایا تھا۔

لیجیے بعض روایات کو ملاحظہ فرمائیے

(۱) ——— اکمال الدین میں سندوں کے ساتھ اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے:

" ایک دن حضرت علیؑ ہمارے پاس اس طرح آئے کہ آپؑ کا ہاتھ امام حسنؑ کے ہاتھ میں تھا اور آپؑ نے فرمایا: ایک مرتبہ رسولِ خداؐ اس طرح آئے کہ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا اور آنحضرتؐ نے فرمایا: میرے بعد تمام مخلوق میں سب سے بہتر اور سب کا سردار میرا یہ بھائی ہے۔ میرے بعد یہ ہر مسلمان کا امام اور ہر مومن کا امیر ہے۔"

(۲) ——— شیخ صدوقؒ نے بھی اکمال ہی میں خود اپنی سند سے امام رضاؑ کے واسطے سے مرفوعاً الی رسول اللہؐ نقل کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

" جو شخص میرے دین سے وابستگی کو پسند کرتا ہے اور میرے

---

[1] نہج البلاغہ / محمد عبدہ - ج ۱ - ص ۲۵ - خطبہ نمبر ۳

بعد کشتیٔ نجات پر سوار ہونا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ علیؑ ابن ابی طالب کی اقتدا کرے۔ کیونکہ علیؑ میرے وصی اور میری امت پر میرے خلیفہ ہیں۔"

(۳) ——— جناب صدوقؒ نے اکمال میں ایک بہت طویل حدیث لکھی ہے جس میں ذکر کیا ہے کہ :

"عثمان کے زمانہ میں دو سو سے زیادہ مہاجرین و انصار مسجد نبویؐ میں جمع ہو کر علم و فقہ کا مذاکرہ کیا کرتے تھے (ایک مرتبہ) ان لوگوں نے ایک دوسرے پر اپنا فخر ظاہر کیا مگر حضرت علیؑ خاموش تھے۔ لوگوں نے کہا : اے ابو الحسنؑ! آپؑ کچھ کیوں نہیں کہتے ؟ تو آپؑ نے سب کو رسول خداؐ کا یہ قول یاد دلایا : علیؑ میرے بھائی ہیں۔ میرے وزیر ہیں ، میرے وارث ہیں ، میرے وصی ہیں ، میری امت میں میرے خلیفہ ہیں ، میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں ! تو سب ہی نے اس کا اقرار کیا۔"

(۴) ——— جناب صدوقؒ نے ایک طویل حدیث میں اپنی اس سند کے ساتھ جو حضرت علیؑ تک پہنچتی ہے فرمایا :

"رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا : خدا نے اپنی اس ولایت کے ذریعہ جس کو اس نے اپنے عرش پر باندھا اور اپنے ملائکہ کو گواہ بنایا علیؑ کو امیر المومنین اور امام المسلمین قرار دیا ہے۔"

۵ ——— جنابِ صدوقؒ نے اپنی امالی میں بسندِ خود جو حضرت علیؑ تک منتہی ہوتی ہے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ:

"ایک دن رسولِ خداؐ نے ہم لوگوں کے درمیان تقریر فرمائی اس میں فرمایا: اے لوگو! ماہِ رمضان کی آمد آمد ہے۔ اس کے بعد ماہِ رمضان کی فضیلت بیان کرنی شروع کر دی حضرت علیؑ فرماتے ہیں: میں نے کہا اے رسولؐ اللہ! اس مہینہ میں سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا: خدا کی طرف سے حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنا۔ (یہ کہہ کر) رونے لگے۔ میں نے عرض کیا۔ آپؐ کیوں رو رہے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے علیؑ میں اس بات کے لیے رو رہا ہوں جو اس ماہ میں تمہارے لیے حلال سمجھی جائے گی۔ یہاں تک کہ فرمایا: اے علیؑ! تم میرے وصی ہو، میرے بچوں کے باپ ہو، میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد میری امت میں میرے خلیفہ ہو تمہارا حکم میرا حکم ہے۔ تمہاری نہی میری نہی ہے۔"

۶ ——— جنابِ صدوقؒ نے اپنی امالی میں حضرت علیؑ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ حضرت ؑ نے کہا:

"رسولِ خداؐ نے فرمایا: اے علیؑ! تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں، مجھے نبوت کے لیے منتخب کیا گیا ہے اور تم کو امامت کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ میں صاحبِ تنزیل ہوں، تم صاحبِ تاویل ہو، تم اس امت کے باپ ہو۔ اے علیؑ! تم میرے وصی، میرے خلیفہ، میرے وزیر، میرے

وارث، میرے بچوں کے باپ ہو۔"

(۷) —— شیخؒ نے امالی میں حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے منبر کوفہ پر فرمایا:

"اے لوگو! رسولِ خداؐ کی طرف سے مجھے دس ایسی فضیلتیں حاصل ہیں جو مجھے تمام ان چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔"

پھر گویا ہوئے:

"آنحضرتؐ نے فرمایا: ۱: اے علیؑ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔ ۲: قیامت میں تم تمام مخلوق میں سب سے زیادہ میرے قریب ہوگے۔ ۳: جنت میں میرا اور تمھارا مکان آمنے سامنے ہوگا۔ ۴: تم ہی میرے وارث ہو۔ ۵: میرے خاندان میں اور میرے وعدوں کے سلسلہ میں میرے بعد تم ہی میرے وصی ہو۔ ۶: میری عدم موجودگی میں میرے اہل و عیال کی تم ہی حفاظت کرنے والے ہو۔ ۷: تم ہی میری امت کے امام ہو۔ ۸: میری رعایا میں تم ہی انصاف کرنے والے ہو۔ ۹: تم میرے دوست ہو اور میرا دوست خدا کا دوست ہوتا ہے۔ ۱۰: تمھارا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔"

(۸) —— جنابِ صدوقؒ نے اپنی کتاب "النصوص علی الائمۃ" میں امام حسنؑ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"میں نے رسولِ خداؐ کو حضرت علیؑ کے بارے میں یہ فرماتے

ہوئے سُنا: تم میرے علم کے وارث ہو، میری حکمت کے معدن ہو، میرے بعد امام ہو۔"

(۹) ——— کتاب النصوص علی الائمۃ میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

"(اے علیؑ) تم میرے اہل بیت کی اموات پر وصی ہو اور میری امت کے زندہ لوگوں پر خلیفہ ہو۔

(۱۰) ——— صدوقؒ نے امالی میں امام رضاؑ سے اور آپؑ نے اپنے آباؑ و اجداد کے واسطہ سے رسول خداؐ سے نقل فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

"علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ خدا اس کو قتل کرے جو علیؑ سے قتال کرے۔ میرے بعد علیؑ پوری مخلوق کے امام ہیں۔"[1]

اگر کوئی بحث برائے بحث کرنا چاہتا ہے تو کرے لیکن یہ بات واضح ہے کہ اہلِ بیتِ طاہرینؑ رسول خداؐ کے بعد امامت وخلافت کا حقدار صرف حضرت علیؑ کو سمجھتے تھے۔ بالفرض اگر ایک یا دو روایات میں سند کی صحت کے بارے میں شک بھی ہو تو عام طور سے وہ روایات جو ان حضرات سے بطور متواتر منقول ہیں اور جن کو سُنیوں اور شیعوں دونوں نے لکھا ہے کہ رسول خداؐ نے امر امامت کو اپنے بعد علیؑ کے لیے مخصوص کر دیا تھا ان میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جا سکتا۔

عام مسلمان بھی جانتے ہیں کہ اہل بیتؑ کا دعوائے امامت مشہور و معروف

---

[1] ہم نے ان روایات کو المراجعات (اردو ترجمہ "مذہب اہل بیت") سے نقل کیا ہے۔

تھا یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو شیعوں نے ایجاد کیا ہو۔ یہ لوگ (شیعہ) تو صرف مذہب اہل بیتؑ کے پیرو ہیں۔ اور یہ بات اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں کے بارے میں قدیماً و حدیثاً مشہور و معروف رہی ہے۔

۲۔ امامت کا ہمیشہ اہلِ بیتؑ میں رہنا

یہ مفہوم اس حدیثِ ثقلین میں موجود ہے جس کو تواتر کے ساتھ علماء نے نقل کیا ہے اور فریقین کے ائمۂ حدیث کے اساتذہ نے اسے درست قرار دیا ہے حدیثِ ثقلین یہ ہے:

"انی تارك فیکم خلیفتین: کتاب اللّٰہ حبل ممدود ما بین السماء والارض. وعترتی اھل بیتی. وانھما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض".[۱]

"میں تمھارے درمیان دو خلیفہ چھوڑے جا رہا ہوں (اوّل) کتابِ خدا (جو زمین سے آسمان تک کھنچی ہوئی ایک رسّی ہے (دوم) میری عترت (جو میرے اہل بیتؑ ہیں۔ جب تک یہ دونوں حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ آجائیں ان میں اختلاف نہیں ہوگا۔"

یہ حدیث وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ جن اہل بیتؑ کو خدا نے اپنی مخلوق پر امام بنایا ہے اور قیامت تک اپنے راستے کے لیے رہبر بنایا ہے۔ ثقل اوّل

۱؎ ملاحظہ ہو رسالہ حدیثِ ثقلین

یعنی قرآن کے ہمیشہ رہنے کے ساتھ ساتھ ان کی خلافت بھی ہمیشہ رہے گی۔

ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں:

"جن احادیث میں اہل بیت سے وابستگی پر ابھارا گیا ہے ان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت تک ان میں اہل پایا جاتا رہے گا جس سے وابستہ رہا جائے۔ قرآن مجید کا بھی یہی حال ہے۔ اسی لیے یہ اہل بیتؑ زمین والوں کے لیے امان ہیں جیسا کہ آگے آئے گا اور اس کی شہادت پہلی والی خبر بھی دیتی ہے کہ: میری امت کی ہر نسل میں میرے اہل بیتؑ کے عادل افراد موجود رہیں گے۔" [1]

حضرت علیؑ کے بعد اہل بیتؑ میں خلافت کا جاری رہنا

خداوند عالم نے اہل بیتؑ کے جن حضرات کو لوگوں کا امام قرار دیا ہے ان کے اسمائے گرامی یکے بعد دیگرے حدیثوں میں بھی آئے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اہل بیتؑ کی حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ ہر رجس و گناہ سے پاک ہیں اور یہ بیان مختصراً اور تفصیل کے ساتھ اشارتاً اور وضاحت کے ساتھ ہر طرح سے آیا ہے۔ ان میں بہت سی روایات صحیح طریقے سے ہم تک پہنچی ہیں۔

ہمارے لیے یہ بات کافی ہے کہ ہم ان میں سے ان پانچ کو جانتے ہیں جو نزول آیت تطہیر کے زمانہ سے مشمول آیت تطہیر رہے ہیں اور پھر ان کے بعد

---

[1] صواعق محرقہ۔ ص ۱۴۹

ان کے ذریعے سے دوسروں کی شناخت ہمارے لیے آسان ہوگی۔ اور پھر سب سے بڑی بات خود عصمت ہے جو سابق کی نص کے ساتھ بذاتِ خود شناخت کا ایک عظیم ذریعہ ہے۔

لیجیے ہم ذیل میں بطور نمونہ کچھ احادیث کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) ——— شیخ صدوقؒ نے اکمال میں سندوں کے ساتھ حضرت علیؑ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"حضرت علیؑ نے کہا: رسولِ خدا کا ارشاد ہے: میرے بعد ۱۲ امام ہوں گے۔ اے علیؑ ان میں سے تم پہلے ہو گے اور آخری قائمؑ ہوں گے جن کے ہاتھوں پر خدا مشرق و مغرب فتح کرے گا۔"

(۲) ——— صدوقؒ نے "النصوص علی الائمۃ" میں امام حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا:

"جب قرآن کی یہ آیت "واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب اللہ"[1] (اور قرابت دار کتابِ خدا میں سب آپس میں ایک دوسرے سے زیادہ اولیت اور قربت رکھتے ہیں) نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ سے اس کی تاویل پوچھی آنحضرتؐ نے فرمایا: تم لوگ اولوا الارحام ہو۔ جب میں مر جاؤں گا تو میری جگہ کے لیے سب سے اولیٰ تمھارے باپ ہوں گے اور جب تمھارے باپ مر جائیں گے تو ان کی جگہ تمھارے بھائی حسنؑ سب سے اولیٰ ہوں گے اور جب حسنؑ

---

[1] سورہ انفال ۸ - آیت ۷۵

گزر جائیں گے تو تم اولیٰ ہو گے۔"

(۳) ——— شیخ صدوقؒ نے اکمال میں امام جعفر صادقؑ کے واسطہ سے حضرت رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"خداوندِ عالم نے تمام انبیاء میں سے مجھے منتخب کیا اور مجھ سے علیؑ کو منتخب کیا اور علیؑ کو تمام اوصیاء پر فضیلت دی۔ اور علیؑ سے حسنؑ و حسینؑ کو منتخب کیا اور حسینؑ کی اولاد میں سے اوصیاء منتخب کیے۔ یہ تمام لوگ دین سے غالیوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی منسوبات کو اور گمراہوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔"

(۴) ——— جنابِ صدوقؒ نے اکمال میں امام رضاؑ کے واسطہ سے ان کے آباؤ اجداد سے ہوتے ہوئے حضرت رسولِ خداؐ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

"میں اور علیؑ (دونوں) اس امت کے باپ ہیں۔ جس نے ہماری معرفت حاصل کی اس نے خدا کی معرفت حاصل کی اور جس نے ہمارا انکار کیا اس نے خدا کا انکار کیا۔ اور علیؑ سے میری امت کے (لیے) دو سبط اور دو سردار جوانانِ جنت حسنؑ و حسینؑ ہوں گے اور حسینؑ کی اولاد سے نو (امام) ہوں گے۔ ان کی اطاعت میری اطاعت اور ان کی معصیت میری نافرمانی ہے ان کا نواں قائم اور مہدی ہے۔"

(۵) ——— جنابِ صدوقؒ نے امام جعفر صادقؑ کے واسطہ سے ان کے آباؤ اجداد کے حوالے سے رسولِ خداؐ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ

رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا:

"میرے بعد بارہ۱۲ ائمہ ہوں گے ان کے پہلے علیؑ ہوں گے اور آخری قائمؑ ہوں گے۔ یہی میرے اوصیاء اور یہی میرے خلفاء ہیں۔" [۱]

اس مضمون کی بہت زیادہ روایات اہل بیتؑ سے ہیں جن میں ان بارہ۱۲ اماموں کو معین و مشخص کیا گیا ہے جو رسولؐ خدا کے بعد یکے بعد دیگرے امام ہوں گے۔ اور جو اہل بیتؑ کے اس سلسلہ کی تشکیل کریں گے جس سے رجس دور کیا گیا ہے۔

ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینیؒ نے اپنی کتاب "کافی" میں ان روایات کا ایک مجموعہ تحریر کیا ہے جس میں ائمہ اہل بیتؑ کے ہر ہر فرد کی امامت پر یکے بعد دیگرے نص کی گئی ہے اور یہ نص بھی اہل بیت کی طرف سے ہے۔" [۲]

روایات کے ان مجموعوں کے بارے میں جو ہر زمانہ میں سلسل اہل بیتؑ کی طرف سے تعیین امام کے لیے وارد ہوئے ہیں شک کی گنجائش اس لیے بھی نہیں ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں اور بہت سی روایتوں کی سندیں حسن ہیں۔ اس کے علاوہ ان روایات کا متواتر ہونا ہم کو ان کی اسانید سے بحث کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

جب ہم اہل بیت کے پانچ افراد (المصطفٰیؐ والمرتضٰیؑ وابناھما والفاطمہؑ) پر ایمان لا چکے کہ یہ ہر رجس سے پاک ہیں اور ہر گناہ و ریب سے معصوم ہیں تو پھر ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ پورے بارہ۱۲ اماموں کی امامت کا اعتراف کریں جن کا نام

---

[۱] ہم نے ان احادیث کو علامہ شرف الدینؒ کی کتاب المراجعات سے نقل کیا ہے۔

[۲] اصول کافی ج ۱ کتاب الحجۃ ص ۲۹۲-۳۲۹

ان روایات میں تسلسل کے ساتھ آیا ہے اور جن کی عصمت مسلّم ہے اور جن میں عصمت و امامت مہدیؑ آلِ محمدؐ تک قائم و دائم ہے۔

امامت و عصمت کا اہل بیتؑ میں جاری رہنا ان روایات کے منافی نہیں ہے جن میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت صرف پنجتن پاک کے بارے میں مخصوص ہے۔ کیونکہ یہ روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ نزولِ آیت کے وقت اہل بیتؑ کی تعداد پانچ افراد پر مشتمل تھی۔ ان روایات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بعد کے زمانوں میں اہل بیتؑ کا وجود نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس یہ روایات تصریح کرتی ہیں کہ ہر زمانہ میں امتداد اہل بیتؑ ہے اور بارہ۱۲ اماموں تک عصمت و امامت جاری رہے گی۔

حدیثِ رسولؐ میں بارہ۱۲ خلیفہ

حضرات اہل سنت کے یہاں حضرت رسولِ خداؐ سے جو روایات ملتی ہیں ان میں بھی اس معنی کی طرف اشارات موجود ہیں۔ مثلاً بخاری میں جابر بن سمرۃ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

"میں نے رسولِ خداؐ کو فرماتے ہوئے سُنا: بارہ۱۲ امیر ہوں گے اس کے بعد ایک کلمہ کہا جس کو میں نہ سن سکا تو میرے باپ نے بتایا: فرمایا تھا: سب کے سب قریش سے ہوں گے۔"[۱]

اسی طرح صحیح مسلم میں رسولِ خداؐ کی حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"قیامت تک دین قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ تمھارے اوپر بارہ۱۲ خلیفہ ہوں اور وہ سب کے سب قریش سے

۱۔ صحیح بخاری ج ۱۔ ص ۸۱۔ باب الاستخلاف

ہوں گے۔" [1]

احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں مسروق سے روایت کی ہے کہ مسروق کہتے ہیں:

"ہم لوگ عبداللہ ابن مسعود کے پاس بیٹھے تھے اور وہ ہم سب کو قرآن پڑھا رہے تھے اتنے میں ایک شخص نے کہا: اے ابا عبدالرحمان! کیا آپ لوگوں نے رسولِ خدا سے (کبھی) یہ بھی پوچھا تھا کہ اس امت پر کتنے خلیفہ حکومت کریں گے؟ عبداللہ ابن مسعود نے کہا: جب سے میں عراق آیا ہوں تم سے پہلے مجھ سے یہ سوال کسی نے نہیں کیا۔ ہاں ہم نے رسولِ خدا سے پوچھا تھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا: نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر بارہ (۱۲) خلیفہ ہوں گے۔" [2]

اختلافِ مضمون کے ساتھ اسی قسم کی احادیث ابوداؤد، البزاز اور طبرانی نے بھی مختلف طرق سے روایت کی ہیں۔ [3] اور ان احادیث کی کوئی (معقول) توجیہ اس کے علاوہ ہے ہی نہیں کہ ان کا اطلاق بارہ اماموں پر کیا جائے یعنی اہلِ بیتؑ کے بارہ امام مراد لیے جائیں جن کے نام تک کا ذکر اہلِ بیتؑ کی روایات میں کیا گیا ہے۔

ویسے تو لوگوں نے بہت کچھ دور از کار تاویلات سے ان روایات کی توجیہ

---

[1] صحیح مسلم ج ۶، ص ۳ "کتاب الامارۃ" باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش

[2] مسند احمد بن حنبل۔

[3] الاصول العامہ للفقہ المقارن۔ ص ۱۷۸

کی ہے اور ایسے اسباب بیان کیے ہیں جو بہت ضعیف ہیں اور بہت کم صحیح ہیں۔
شیخ محمود ابوریہ، سیوطی کا بیان نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"ان مشکل حدیثوں کے بارے میں علماء نے جو کہا ہے۔ اس سلسلہ میں عجیب بات کہی ہے۔ ہم اپنے قاری حضرات کی دلچسپی کے لیے اس کو بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے: اس بناپر بارہ خلفاء میں درج ذیل حضرات پائے جاتے ہیں۔!
ابوبکر، عمر، عثمان، علیؑ، حسنؑ، معاویہ، ابن الزبیر، عمر ابن عبدالعزیز۔ یہ آٹھ ہو گئے۔ احتمال ہے کہ عباسیوں میں سے المہدی کو بھی انھیں میں شامل کر لیا جائے اس لیے کہ عباسیوں میں المہدی ویسے ہی تھا جیسے بنی امیہ میں عمر بن عبدالعزیز۔ اور اس لیے بھی کہ اس میں عدل و انصاف پایا جاتا تھا۔ اب دو کا انتظار ہے ایک تو مہدی جو اہل بیت محمدؐ سے ہوں لیکن دوسرے کا ذکر نہیں کیا۔ خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے سیوطی کے لیے کہا ہے: یہ تو رات (کے اندھیرے) میں لکڑی چننے والوں میں ہیں۔" [1]

ان روایات کی توجیہ میں سیوطی وغیرہ نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔
لیکن بہت سے علماء اہل سنت صحیح منزل تک بھی پہنچ گئے ہیں۔ مثلاً سبط ابن جوزی

---

[1] اضواء علی السنۃ المحمدیہ ۔ ۲۱۲ (ابوریہ نے جو لکھا ہے اس میں کہیں نہ کہیں عبارت رہ گئی ہے یا اصل کتاب میں یا وہاں سے جو آیۃ التطہیر میں عبارت نقل ہے اس میں کچھ بھول ہے کیونکہ اس حساب سے تعداد ۱۱ ہوتی ہے ۱۲ نہیں ہوتی ہے (مترجم))

جنھوں نے "تذکرۃ الخواص" لکھی ہے۔ یہ ائمہ اہل بیتؑ کے حالات میں ہے۔ اور ابن صباغ مالکی ہیں۔ انھوں نے "الفصول المہمۃ" لکھی ہے۔ یہ بھی ائمہ اثنا عشر کے حالات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ابن طولون ہیں جنھوں نے "الائمۃ الاثنی عشر" نامی کتاب لکھی ہے۔ ان حضرات کے علاوہ دوسرے اہل علم بھی ہیں جنھوں نے کتابیں لکھی ہیں۔

بہرحال جو بھی ہو یہ تسلیم کرلینا کہ آیۂ تطہیر پنجتن پاکؑ کی عصمت پر دلیل ہے، خود منطقی طور پر ہمیں ائمہ اثنا عشرؑ کی عصمت و امامت کا قائل کر دیتی ہے۔

۳- احادیثِ اہل بیتؑ کا حجت ہونا

آیتِ تطہیر سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان میں سے ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ جو مسلمان احکامِ الٰہی پر عمل کرنا چاہتا ہے اور اپنی زندگی میں حلال پر عمل اور حرام سے پرہیز کرنا چاہتا ہے اس کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ جانے کہ احکامِ الٰہی کو کہاں سے اخذ کیا جائے؟ احکامِ خدا کا ماخذ کس کو قرار دیا جائے؟ ہر مسلمان عقائد و اعمال کو صحیح راستہ سے حاصل کرنے کا پابند ہے۔ ہماری ساری بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اہل بیتؑ کے علاوہ کوئی اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس سے احکام حاصل کیے جائیں۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے شیعہ امامیہ احکامِ الٰہی کی معرفت میں صرف مذہبِ اہل بیتؑ ہی پر کیوں انحصار کرتے ہیں اور کیوں جمہور کے مذہب پر عمل نہیں کرتے جن کا دار و مدار صرف ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر ہے۔

اب ہم اس حقیقت کی تشریح کریں گے کہ بنیادی طور پر مذہبِ اہلِ بیتؑ کن ستونوں پر استوار ہے۔

مذہبِ اہل بیتؑ

— کی —

چند خصوصیات

① حضرات اہلِ بیتؑ صادق اور منزہ عن الکذب ہیں

ان حضرات کی زندگی میں یہ ان کی عصمت کا بہت ہی معمولی درجہ ہے جیسے کذب رجس کی بدترین قسم میں داخل ہے جس سے خداوند عالم نے ان حضرات کو منزہ کیا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کا ان کی حدیث و روایت کے بارے میں شک کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ خدا نے ان سے رجس کو دور کر دیا ہے اور ان کو پاک پاکیزہ قرار دیا ہے اور جھوٹ بدترین و نخش ترین رجس ہے جس سے خدا نے ان حضرات کو مبرّا کیا ہے۔

اور سنی و شیعہ دونوں ایک حد تک اس حقیقت پر متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمِ حدیث و رجال کی جتنی بھی کتابیں میں نے پڑھی ہیں (یہ میں کتب علمائے

اہل سنت کے بارے میں عرض کر رہا ہوں) کسی عالم کو میں نے نہیں دیکھا جس نے ائمہ اثنا عشر کو ہر بدی و منکر اور شک و شبہ سے منزہ نہ بتایا ہو۔

۲ اہل بیتؑ صرف رسولِ خداؐ کی حدیث بیان کرتے ہیں

ائمہ اہل بیت مذاہب اسلامیہ کے مجتہدین کی طرح دینِ خدا میں رائے یا اجتہاد پر اعتماد نہیں کرتے۔ ان کی شان اس سے اعلیٰ وارفع ہے۔ ان کو مجتہد کہنا یا اصحاب الرائے کہنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مجتہد کبھی صحیح حکم دیتا ہے اور کبھی غلطی کرتا ہے۔ بلکہ اس کی غلطیاں صحیح کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔

لیکن حضراتِ اہل بیتؑ نہ تو مجتہدین میں شمار کیے جا سکتے ہیں اور نہ ان کا شمار کسی بھی طرح اصحاب الرائے میں کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ رائے یا اجتہاد ان کا مذہب ہے۔ یہ حضرات صرف رسولِ خداؐ کی حدیث نقل کرتے ہیں اور میراثِ رسولؐ خدا کو ہم تک پہنچاتے ہیں۔

جتنی بھی حدیثیں ان حضرات سے منقول ہیں خواہ اصول میں ہوں یا احکام میں وہ نہ ان کی رائے ہے اور نہ ان حضرات کا کوئی اجتہاد ہے اور نہ ہی ان حضرات نے اس میں رائے یا اجتہاد کی تمرین و مشق بہم پہنچائی ہے جس طرح دوسروں نے تمرین و مشق کی ہے۔ یہ حضرات اس سلسلہ میں صرف اس سنتِ رسولؐ کو بطور سند پیش کرتے ہیں جس کا علم ان لوگوں کو پہنچا ہے۔ اور اس کی روایت یا تو سلسلہ دار رسولؐ تک اسی طرح کرتے ہیں جیسے عام محدثین حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ اور یا بطور مرسل روایت کرتے ہیں۔ اور ان ائمہ اہل بیتؑ نے اس مطلب کو اکثر جگہ بیان بھی فرمایا ہے۔ یہ حضرات سنتِ رسولؐ خدا میں نہ کوئی کمی کرتے ہیں

اور نہ کوئی زیادتی، اور نہ ہی فقہ میں رائے کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ حضرات اصولؑ فروع میں جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ سنتِ رسولؐ خدا یا وہ حدیثِ رسولؐ خدا ہوتی ہے جو ان حضرات تک پہنچی ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم ان بعض نصوص کا ذکر کر رہے ہیں جو ان حضرات سے وارد ہوئی ہیں:

(۱) ——— ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے علی بن محمد سے اور انھوں نے سہیل بن زیاد سے انھوں نے احمد بن محمد سے انھوں نے عمر بن عبدالعزیز سے انھوں نے ہشام بن سالم اور حماد بن عثمان وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں نے کہا: ہم لوگوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"میری حدیث میرے باپ کی حدیث ہے اور میرے باپ کی حدیث میرے دادا کی حدیث ہے اور میرے دادا کی حدیث امام حسینؑ کی حدیث ہے اور امام حسینؑ کی حدیث امام حسنؑ کی حدیث ہے اور امام حسنؑ کی حدیث امیر المومنینؑ کی حدیث ہے اور امیر المومنینؑ کی حدیث رسولؐ خدا کی حدیث ہے اور رسولِ خدا کی حدیث خدا کا قول ہے۔"[۱]

(۲) ——— ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے علی بن ابراہیم سے اور انھوں نے محمد بن عیسیٰ سے انھوں نے داؤد بن فرقد سے انھوں نے اس شخص سے جس سے ابن شبرمہ نے بیان کیا روایت کی ہے کہ ابن شبرمہ نے کہا:

"میں نے امام جعفر صادقؑ سے سنی ہوئی حدیث کا ذکر نہیں کیا مگر

---

[۱] اصولِ کافی ج ۱ - ص ۵۳

یہ کہ قریب تھا کہ اس کا دل پھٹ جائے۔ امامؑ نے فرمایا: مجھ سے میرے باپ نے میرے دادا کے حوالہ سے رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے۔ ابن شبرمہ کہتے ہیں: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، امام صادقؑ کے باپ نے ان کے دادا کی طرف جھوٹ نسبت کبھی نہیں دی اور نہ ان کے دادا نے رسولِ خداؐ کی طرف جھوٹی نسبت دی۔ وہ کہتے ہیں: رسولِ خداؐ نے فرمایا: جس نے قیاس پر عمل کیا وہ (خود بھی) ہلاک ہوا اور (دوسروں کو بھی) ہلاک کیا۔ اور جس نے لوگوں کو بغیر علم کے فتویٰ دیا اور وہ ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ کو نہیں جانتا تھا تو وہ (خود) ہلاک ہوا اور (دوسروں کو) ہلاک کیا۔" [1]

(۳) ——— امالی شیخ مفیدؒ میں فرماتے ہیں:

" مجھ سے شیخ جلیل مفید محمد بن محمد بن نعمان نے کہا کہ ان سے ابوالقاسم جعفر بن محمد بن محمد قمی (رہ) نے کہا کہ مجھ سے احمد بن محمد بن عیسیٰ نے کہا اور وہ کہتے ہیں: مجھ سے ہارون بن مسلم بن علی بن اسباط نے سیف بن عمیرہ سے نقل کیا کہ سیف بن عمیرۃ سے عمرو بن شمر نے اور ان سے جابر نے بیان کیا۔ جابر کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوجعفرؑ سے کہا: جب آپؑ مجھ سے حدیث بیان کریں تو اس کی سند بھی بیان کر دیا کریں۔ تو ابوجعفرؑ نے کہا: میرے باپ نے میرے دادا رسولِ خداؐ سے اور ان سے جبرئیل نے اور

---

[1] اصولِ کافی ج ۱ ص ۴۳

جبرئیل سے اللہ نے بیان کیا۔ اور میں تم سے جو بھی حدیث بیان کروں اس کی سند یہی ہوگی۔ اے جابر! ایک حدیث جس کو تم صادقؑ سے لو وہ تمھارے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"[۱]

(۴) —— شیخ حرّ عاملی (رہ) نے وسائل میں علی بن موسیٰ بن جعفر بن طاؤس سے کتاب الاجازات میں نقل کیا ہے:

"حفص بن البختری کی کتاب سے ہم نے جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے (ایک) یہ ہے: حفص کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوعبداللہؑ سے عرض کیا: ہم آپؑ سے حدیث سنتے ہیں پھر (بعد میں) ہم کو یاد نہیں رہتا کہ آپؑ سے حدیث سنی تھی یا آپ کے والد سے! حضرت نے جواب دیا: جو مجھ سے سنو اس کو میرے والد کی طرف سے روایت کر سکتے ہو۔ اور جو مجھ سے سنو اس کی روایت رسولِ خداؐ سے (بھی) کر سکتے ہو۔"[۲]

(۵) —— بصائر الدرجات میں ہے۔ ہم سے ابراہیم بن ہاشم نے بیان کیا ان سے یحییٰ بن ابی عمران نے بیان کیا۔ ان سے یونس نے اور یونس سے عنبسہ نے۔ عنبسہ کہتے ہیں:

"ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ حضرت نے اس کا جواب دے دیا۔ اس شخص نے کہا: اگر ایسا ہو تو پھر کیا حکم ہوگا؟ امامؑ نے فرمایا: ہم جب بھی کسی بات کا جواب

---

[۱] امالی مفید ص ۲۶

[۲] وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۳۸۰

دیتے ہیں وہ رسولِ خداؐ کا ہوتا ہے۔ ہم اپنی رائے سے کچھ نہیں کہا کرتے۔" [1]

(۶) ——— ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے علی بن محمد بن عیسیٰ سے اور انھوں نے یونس سے اور انھوں نے قتیبہ سے روایت کی ہے:

" ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے مسئلہ پوچھا: حضرت نے اس کا جواب دے دیا۔ اس نے کہا: آپؑ کی کیا رائے ہے اگر ایسا ہو اور ایسا ہو تو آپؑ کا نظریہ کیا ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا: خاموش! میں نے تجھ کو جو جواب دیا ہے وہ رسولِ خداؐ کا جواب ہے۔ ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں جو اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں۔" [2]

(۷) ——— بصائر الدرجات میں ہے۔ ہم سے یعقوب بن یزید نے ان سے محمد ابن ابی عمیر نے ان سے عمرو ابن اذینہ نے ان سے فضیل بن یسار نے امام محمد باقرؑ کی یہ روایت بیان کی کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

" اگر ہم اپنی رائے سے (کچھ) بیان کرتے تو جیسے ہم سے پہلے کے لوگ گمراہ ہو گئے ہم بھی گمراہ ہو جاتے۔ لیکن ہم صرف وہ بیان کرتے ہیں جس کی واضح دلیل ہمارے رب کے پاس سے ہوتی ہے اور جسے خدا نے اپنے نبیؐ کے لیے بیان کیا اور نبیؐ نے ہمارے لیے بیان کیا۔" [3]

---

[1] بصائر الدرجات ص ۸۶

[2] اصول کافی ج ۱ ص ۵۸

[3] بصائر الدرجات ص ۸۵

(۸) ——— بصائر الدرجات ہی میں احمد بن محمد سے اور ان سے حسین بن سعید نے ان سے فضیل بن یسار نے امام جعفر صادقؑ کی روایت بیان کی ہے کہ امام ششمؑ نے فرمایا :

"خداوند عالم نے ایک بات اپنے نبیؐ سے بیان کی اور نبیؐ نے ہم سے بیان کی ۔ اور اگر یہ واضح بیان (ہمارے پاس) نہ ہوتا تو ہم بھی ان ہی لوگوں کی طرح ہوتے ۔"[۱]

(۹) ——— بصائر الدرجات ہی میں ہے کہ ہم سے عبداللہ بن عامر نے ان سے عبداللہ بن محمد الحجال نے ان سے داؤد بن ابی یزید الاحول نے بیان کیا کہ انھوں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا :

"اگر ہم ، لوگوں کو اپنی رائے سے فتویٰ دینے لگیں تو ہلاک ہو جائیں ۔ لیکن (ہم جو کہتے ہیں) وہ رسول خداؐ کے آثار ہیں اور اصل علم ہے جس کے ہم ایک دوسرے سے وارث ہوتے چلے آرہے ہیں اور ہم اس کو اسی طرح محفوظ رکھتے ہیں جس طرح لوگ اپنے سونا چاندی کو محفوظ رکھتے ہیں ۔"[۲]

(۱۰) ——— اسی بصائر الدرجات میں ہے ۔ ہم سے حمزہ بن یعلیٰ نے ان سے احمد بن النضر نے ان سے عمرو بن شمر نے ان سے جابر نے بیان کیا کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا :

"اے جابر اگر ہم تم سے اپنی رائے اور خواہش کے مطابق حدیث

---

[۱] بصائر الدرجات ص ۸۶

[۲] بصائر الدرجات ص ۸۵

بیان کریں تو ہلاک ہو جائیں۔ ہم تو تم سے وہ حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کو ہم نے رسولِ خدا سے بطور خزانہ ذخیرہ کر رکھا ہے، جس طرح لوگ سونا، چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں۔"[۱]

۳ اجتہاد سے پہلے نص

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اہل بیتؑ کی احادیث خواہ وہ ان کے اقوال ہوں یا افعال۔ ان کا رائے اور اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ تو صرف وہ آثار ہیں جنھیں آنحضرتؐ نے اپنے اہل بیتؑ کے پاس بطور امانت رکھوایا تھا۔ اور اہل بیتؑ کو یہ آثار وراثت میں ملے تھے اور یہ وہی آثار ہیں جن کو اہل بیتؑ نے اصول و احکام کی صورت میں ہم سے نقل کیا ہے اور ثقہ و معتبر محدثین نے ان سے نقل کیا ہے۔

اب اگر ہم (آیتِ تطہیر کے مطابق) ان پر ایمان رکھتے ہیں کہ اہل بیتؑ ہر کذب و شک سے پاک و منزہ ہیں اور جو کچھ بھی کہتے یا روایت کرتے ہیں اس میں صادق ہیں تو ان کی احادیث سے اجتہاد یا رائے سے روگردانی قطعاً ناجائز ہے۔ چاہے وہ اجتہاد و رائے حدیثِ رسولؐ ہی سے متعلق ہو۔

اس لیے کہ نصِ صریح کے ہوتے ہوئے اجتہاد یا رائے پر عمل کرنا یقیناً غلط ہے اجتہاد کی طرف تو فقیہ اس وقت رجوع کرنے پر مجبور رہتا ہے جب متن یا سند کے اعتبار سے سنت مجمل ہو یا غیر واضح ہو یا دو حدیثوں میں دلالت کے اعتبار سے

---

[۱] بصائر الدرجات ص ۸۵۔ ہم نے ان تمام احادیث کو کتاب جامع احادیث الشیعہ فی احکام الشریعۃ ج ۱ ص ۱۷، ۱۸۔ طبع اول سے نقل کیا ہے۔

تضاد ہو یا پھر کتاب وسنت کی کوئی دلیل ہی موجود نہ ہو۔ لیکن جس مقام پر کتاب یا سنتِ رسولؐ سے دلیل موجود ہو، حکم شرعی کے لیے نص موجود ہو جو واضح دلالت کرنے والی ہو اور جو مستند ہو تو وہاں رائے کے استعمال کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی اور نہ ہی اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ ایسا حکم ہے جس پر علمائے اصول کا اتفاق ہے۔

اور چونکہ سابق بیانات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اہل بیتؑ کی نصوص سنتِ رسولؐ ہیں، اور یہ حضرات سنتِ رسولؐ کے علاوہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ اس لیے ان کی طرف رجوع کرنے سے پہلے اجتہاد یا رائے کی پناہ لینا کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

اس بات پر دو اصلی وجوہری امر مرتب ہیں

(۱) ——— اصول و فروع میں دیگر اسلامی مذاہب کے ساتھ اہل بیتؑ کے اصول و فروع کو ایک مذہب کی حیثیت سے نہیں شمار کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ مذہب کا مطلب اصولی اور احکامی اعتبار سے مخصوص اجتہاد و رائے کے ذریعہ اسلام کا سمجھنا ہے۔ اور چونکہ اہل بیتؑ اپنی ذات سے شخصی اجتہاد و رائے کی نفی کرتے تھے وہ تو صرف سچائی و امانت کے ساتھ رسولِ خداؐ کی سنت وحدیث کو ہمارے لیے نقل کر دیتے تھے۔ لہٰذا مذہب کا اصطلاحی مفہوم ان کی حدیثوں کے لیے نہیں بولا جا سکتا۔

(۲) ——— شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ کسی بھی اصولی وفقہی مذہب کی طرف "اہل بیتؑ کی احادیث کی طرف اور جو شریعت ان سے ملی ہے اس کی طرف رجوع کرنے سے پہلے" رجوع کرنا ناجائز وحرام ہے۔ ان کی احادیث اور ان کے کلمات کے مقابلہ میں اجتہاد کو "اجتہاد فی مقابل النص" کہا جاتا ہے۔ جو سراسر ناجائز ہے۔

۴ اہلِ بیتؑ رسولِ خدا سے کیسے سیراب ہوئے؟

یہ ایک ایسا فطری سوال ہے جو اس وقت ہر انسان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جب وہ اس ضخیم میراث کو دیکھتا ہے جو اہلِ بیتؑ کے پاس رسول اللہؐ کی میراث کے بطور موجود ہے اور وہ عظیم میراث اصول، احکام، کلیات، جزئیات، احکام کی دقیق فروعات، تفسیر، اخلاق، تاریخ وغیرہ پر مشتمل ہے۔

اس سوال کا جواب آیتِ تطہیر سمجھ لینے کے بعد آسان ہے۔ یعنی جب ہم نے تسلیم کر لیا کہ بنصِ قرآن کی رو سے یہ حضرات صادق القول ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے، باطل دعویٰ نہیں کرتے تو پھر اب ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہ تلاش کرتے پھریں کہ ان لوگوں نے کیونکر اور کس طرح رسولِ خداؐ سے علم حاصل کیا اور کس طویل فرصت میں حاصل کیا۔ اور کس طویل فرصت میں حضرت علیؑ رسولِ خدا کے پاس تنہائی میں حاضری دے کر تحصیل علم کیا کرتے تھے جو ان کے بعد مسلسل ان کی اولاد میں ایک امامؑ سے دوسرے امامؑ کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ تحصیل علم کے مختلف طریقے ہوا کرتے ہیں تمام طریقے وہی نہیں ہیں جن کو ہم جانتے پہچانتے ہیں۔ مثلاً جیسے طلاب اپنے اساتذہ سے سیکھا کرتے ہیں یہ تو مشہور طریقہ ہے جس کو ساری دنیا جانتی ہے۔ اور کچھ ایسے غیبی طریقے بھی ہیں جن کو خدا نے ہم سے پوشیدہ رکھا ہے۔ کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ حصولِ علم کا طریقہ اسی کیفیت میں منحصر ہے جو کالجوں، مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے۔

خود قرآن مجید نے ہمارے لیے اس شخص کا قصہ نقل کیا ہے جو ملکِ سبا سے سلیمانؑ کے لیے چشم زدن میں تختِ بلقیس لے کر آیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

"قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ"۔ [1]

"وہ شخص جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا بولا: میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو آپ کے پاس لائے دیتا ہوں۔"

پس یہ کون سا علم ہے؟

یہ علم کہاں سے سیکھا ______؟

کس طرح سیکھا؟

ہمارے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے۔ بس یہ کہ ایسا ہوا اور قرآن نے کہا ہے۔ بس ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

ایک اور مثال ہے جس کو قرآن نے ذکر کیا ہے اور وہ ان عبدِ صالح کا قصہ ہے جن کو خدا نے اپنے پاس سے علم عطا کیا تھا اور اپنے کلیم حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ ان کی پیروی کریں تاکہ ان سے وہ علم حاصل کر سکیں جو خدا نے ان کو مرحمت فرمایا ہے حالانکہ جنابِ موسیٰؑ کلیم اللہ، صفی اللہ، نجیب اللہ اور رسول اللہ تھے پھر بھی عبدِ صالح سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ کی ان عبدِ صالح سے ملاقات کا قصہ بہت اچھے پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

---

[1] سورہ نمل ۲۷۔ آیت ۴۰

رُشْدًا - " لہ

" پس دونوں (موسیٰؑ و یوشع) نے ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر) کو پایا جس کو ہم نے اپنی بارگاہ سے رحمت کا حصہ عطا کیا تھا اور ہم نے اسے اپنے علم میں سے کچھ (علم لدنی) سکھایا تھا۔ موسیٰؑ نے ان (خضر) سے کہا: کیا میں اس مقصد کے لیے آپ کے ساتھ ساتھ رہ سکتا ہوں کہ آپ کو جو علم رہنمائی (خدا کی طرف سے) سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجیے۔"

پس جنابِ خضر خدا کے بندے ہیں جن کو اس نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی ہے اور علم عطا کیا ہے اور جناب موسیٰؑ رسول وکلیم ہوتے ہوئے ان کے پاس آتے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ رہیں اور ان سے کچھ سیکھیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس عبد صالح نے اس علم کثیر کو خدا سے کس طرح حاصل کیا؟ ایسا علم جس سے حضرت موسیٰؑ اپنی عظمت و بزرگی کے باوجود ناواقف تھے اور عبد صالح نے کس طرح اس علم کا استیعاب کر لیا؟ یہ ساری باتیں ہمارے لیے ناقابلِ فہم ہیں اور ہم پر ان کے سمجھنے کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ اور نہ ہم اس کے اس وقت تک جواب دہ ہیں جب تک یہ چیزیں صحیح ماخذ سے ہمارے پاس پہنچتی رہیں۔

اسی طرح اہل بیتؑ کا علمِ کثیر رسولؐ خدا سے کس طرح ماخوذ ہے اور آپؐ کی سنت کی تحصیل ان حضرات نے کس طرح کی ہے؟ اس کی جوابدہی ہمارے اوپر اس وقت تک نہیں ہے جب تک آیتِ تطہیر ان کی صداقت کی ذمہ داری لیتی ہے۔

لہ سورہ کہف ۱۸ - آیات ۶۵ - ۶۶

پس جس طرح ہم آصف بن برخیا اور جناب خضر کے علم کی تصدیق آیتِ قرآنی کی وجہ سے کرتے ہیں اسی طرح اہل بیتؑ کے علم کی تصدیق بھی آیتِ تطہیر کی بنا پر کرتے ہیں۔

ہمارے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ خدا نے ان کو ہر رجس سے پاک قرار دیا ہے اور کذب وجھوٹ رجس کے واضح ترین مصادیق میں سے ہیں۔ اس لیے کہ جب خود ان حضرات نے فرمایا:

"ہم اصول و فروع میں سنتِ رسولؐ و علمِ رسولؐ کے وارث ہیں اور رسولِ خدا کا علم ان کی حدیث اور ان کی سنت کا علم ہمارے پاس ہے۔ ہمارے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔"

اور ہم اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی بات میں اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ یہ کبھی باطل بات کہتے ہی نہیں۔ تو پھر ہم حلال وحرام کے بارے میں ان سے علمِ حدیث وفقہ لیں گے۔ اصول، احکام، حدود، شریعت ان سے حاصل کریں گے۔ اور ان کی روایات و احادیث کو اس عنوان سے لیں گے کہ یہ رسولِ خدا کی روایات و احادیث ہیں جو رسولِ خدا سے ایسی صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں جس میں شک کی گنجائش ہی نہیں ہے اس لیے کہ قرآن نے ان کی صداقت و پاکیزگی کا اعلان کر دیا ہے۔

اس قاعدۂ کلیہ کے علاوہ بھی اہل بیتؑ کے لیے بالذات کچھ توضیحات موجود ہیں۔ ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

الف: رسولِ خدا حضرت علیؑ کے ساتھ علم کی تعلیم کے لیے وہ مخصوص برتاؤ کرتے تھے جو کسی دوسرے کے لیے روا نہیں رکھتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ـــــــ ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے نقل فرمایا ہے۔ علی بن ابراہیم نے انھوں

نے حماد بن عیسیٰ سے انھوں نے ابراہیم بن عمر یمانی سے انھوں نے ابان بن ابی عیاش سے کہ سلیم بن قیس الہلالی کہتے ہیں: حضرت علیؑ سے ان کے علم کے بارے میں اور اصحاب کے علم کے بارے میں پوچھا گیا کہ رسولؐ خدا سے کتنا علم حاصل کیا تھا ؟ (یہ حدیث چونکہ بہت طویل ہے اس لیے بقدر ضرورت نقل کرتے ہیں) حضرت علیؑ نے فرمایا:

"رسولؐ خدا کا ہر صحابی ایسا نہیں تھا جو ان سے سوال کر کے سمجھ لیتا۔ (بلکہ) کچھ لوگ سوال کرتے تھے مگر سمجھ نہیں پاتے تھے۔ ان کو یہ بات بہت محبوب تھی کہ کوئی مہمان یا بدو آ کر سوال کرے تاکہ وہ لوگ سُنیں۔ (اس کے برخلاف) میں ہر روز دن میں ایک مرتبہ اور رات میں ایک مرتبہ رسولؐ خدا کے پاس جاتا تھا اور تنہائی میں ان سے گفتگو کرتا تھا۔ جدھر جدھر حضرتؐ جاتے تھے میں ان کے ساتھ ساتھ رہتا اصحاب بھی اس بات کو جانتے تھے کہ رسولؐ خدا میرے علاوہ یہ برتاؤ کسی کے ساتھ نہیں کرتے۔ پس کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ رسولِ خدا میرے گھر تشریف لاتے تھے اور زیادہ تر یہی ہوتا تھا۔ اور جب میں آپؐ کے کسی گھر میں آپؐ کے پاس جاتا تھا تو فوراً خلوت کا حکم دے دیتے تھے اور امہات المومنین بھی اٹھ کر چلی جاتی تھیں۔ میرے علاوہ کوئی اور نہیں رہ جاتا تھا اور جب آنحضرتؐ میرے گھر تشریف لاتے تھے تو نہ فاطمہؑ اٹھ کے جاتی تھیں نہ میرے بچے (نیز یہ بھی آنحضرتؐ کی عادت تھی) جب میں سوال کرتا تھا تو آپؐ جواب دیتے تھے اور جب

میں چُپ ہو جاتا تھا اور میرے سوالات ختم ہو جاتے تھے تو آنحضرتؐ خود سے ابتدا فرماتے تھے۔ اسی لیے قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو رسولؐ خدا پر نازل ہوئی اور رسولؐ خدا نے اس کو مجھے نہ پڑھایا اور نہ لکھوایا ہو۔ پس میں اپنے خط سے لکھتا تھا۔ اور آنحضرتؐ نے مجھے ہر آیت کی تاویل، تفسیر، اس کا ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، خاص، عام کی تعلیم دی تھی اور میرے لیے دعا کی تھی کہ خدا مجھے فہم و حفظ عطا کرے۔ چنانچہ (اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ) میں نہ کسی آیت قرآنی کو بھولا اور نہ کسی علم کو فراموش کیا۔ جب سے رسولِ خدا نے مجھ کو لکھوایا اور میں نے لکھا۔ اور خدا نے ان کو جو بھی حلال و حرام، امر، نہی، جو ماضی سے متعلق تھی یا مستقبل سے اور جو کتاب کسی پر نازل ہوئی اس کا جو علم آنحضرتؐ کو دیا اور طاعت و معصیت (وغیرہ) کا جو بھی علم رسولؐ کو دیا رسولؐ نے مجھے سب کی تعلیم کی اور میں اس میں سے ایک حرف بھی نہیں بھولا۔ اس کے بعد رسولِ خدا نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھ کر خدا سے دعا فرمائی: پالنے والے! علیؑ کے دل کو علم و فہم و حکمت و نور سے بھر دے۔ اس پر میں نے عرض کیا: اے خدا کے رسولؐ! آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں جب سے آپ نے میرے لیے دعا فرمائی ہے۔ میں ایک حرف بھی نہیں بھولا اور کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس کو میں نے نہ لکھ لیا ہو۔ کیا آپؐ کو خطرہ تھا کہ میں بعد میں بھول جاؤں گا۔

فرمایا: نہیں مجھے نہ تمھارے بارے میں جہالت کا خوف تھا نہ بھول چوک کا۔" [1]

(۲) ——— علامہ الحر عاملیؒ نے وسائل الشیعہ میں محمد بن یعقوب سے انھوں نے محمد بن یحییٰ سے انھوں نے احمد بن محمد سے انھوں نے علی بن الحکم سے انھوں نے سیف بن عمیرہ سے انھوں نے ابی الصباح سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"خدا کی قسم مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: خدا نے اپنے نبیؐ کو تنزیل وتاویل کی تعلیم دی اور رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو اس کی تعلیم دی۔ پھر فرمایا: اور خدا کی قسم اسی کی ہم کو تعلیم دی گئی۔" [2]

ب: یہ وہ کتاب ہے جس کو رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو احکام کے بارے میں لکھوایا ہے اور اس کا نام "الجامعۃ" ہے۔ اس کو حضرت رسولؐ نے مخصوص نشستوں میں حضرت علیؑ کو لکھوایا ہے اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اس کتاب میں حلال، حرام، حدود کا ذکر ہے۔ بلکہ بعض روایتوں میں ہے۔ الجامعہ "قرآن، انجیل، زبور پر مشتمل ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ وہ ستر بالشت کی ہے۔ حضرات ائمہؑ اس کے حافظ تھے اور نسلاً بعد نسلٍ اس کی سونے چاندی سے زیادہ حفاظت کرتے تھے جیسے لوگ اپنے چاندی سونے کو خزانوں میں محفوظ رکھتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ حفاظت کرتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تھی اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔

(۱) ——— بصائر الدرجات میں علی بن حسن بن حسین السمانی سے انھوں

---

[1] اصول کافی ج ۱ - ص ۶۲

[2] وسائل الشیعہ ج ۳ - ص ۳۹۱

نے محول بن ابراہیم سے انھوں نے ابی مریم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"مجھ سے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ہمارے پاس الجامعہ ہے اور وہ ستّر بالشت کی ہے۔ اس میں ہر چیز کا حکم ہے، یہاں تک کہ خراش کا تاوان بھی مذکور ہے۔ یہ رسولِ خدا کا لکھوایا ہوا ہے حضرت علیؑ کی تحریر ہے۔"[۱]

(۲) —— بصائر الدرجات میں احمد بن محمد سے ان سے حسن بن علی سے ان سے عبداللہ بن سنان سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: ہمارے پاس ایک پوست ستّر بالشت کی ہے جس کو رسولِ خدا نے لکھوایا ہے اور حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔ اس میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں جن کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ خراش تک کی دیت کا ذکر موجود ہے۔"[۲]

(۳) —— ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے کچھ اصحاب سے انھوں نے احمد بن محمد سے انھوں نے صالح بن سعید سے انھوں نے احمد بن ابی بشیر سے انھوں نے بکر بن کرب صیرفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

"میں نے امام جعفر صادقؑ کو فرماتے ہوئے سنا: ہمارے پاس ایسی چیز ہے جس کے ہوتے ہوئے ہم لوگوں کے محتاج نہیں ہیں البتہ لوگ ہمارے محتاج ہیں۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے

۱؎ بصائر الدرجات ص ۴۴

۲؎ بصائر الدرجات ص ۳۹

جس کو رسول اللہؐ نے لکھوایا ہے اور حضرت علیؑ کے خط میں لکھا ہوا ہے۔ یہ (ایک ایسا) صحیفہ ہے جس میں ہر حلال وحرام (موجود) ہے۔"[۱]

(۴) ——— بصائر الدرجات میں ہے۔ محمد بن الحسین نے ان سے جعفر بن بشیر نے ان سے حسین نے ان سے ابی مخلد نے ان سے عبد الملک کہتے ہیں:

"امام محمد باقرؑ نے حضرت علیؑ کی کتاب منگوائی جس کو امام جعفر صادقؑ لے کر آئے۔ وہ کتاب لپٹی ہوئی تھی اور ایسی معلوم ہو رہی تھی جیسے کسی انسان کی ران۔ اس میں لکھا تھا: اگر شوہر مر جائے تو زمین میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس پر امام محمد باقرؑ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ رسولِ خدا کی لکھوائی ہوئی اور حضرت علیؑ کی لکھی ہوئی تحریر ہے۔"[۲]

(۵) ——— شیخ طوسیؒ نے تہذیب میں روایت کی ہے۔ موسیٰ بن قاسم سے انھوں نے صفوان سے انھوں نے علاء سے انھوں نے محمد بن مسلم سے انھوں نے امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ امامؑ نے فرمایا:

"حضرت علیؑ کی کتاب میں ہے: اگر انسان طوافِ واجب میں خانہ کعبہ کا آٹھ شوط کرے اور یقین ہو جائے تو اس میں چھ شوط کا مزید اضافہ کرے۔ اسی طرح اگر سعی میں آٹھ سعی کا یقین ہو جائے تو چھ سعی کا مزید اضافہ کرے۔"

---

[۱] اصول کافی ج ۱ - ص ۲۴۱

[۲] بصائر الدرجات ص ۴۴

(۶) —— رجال النجاشی میں ہے۔ احمد بن محمد بن سعید نے انھوں نے محمد بن احمد سے انھوں نے حسن سے انھوں نے عباد بن ثابت سے انھوں نے ابن مریم عبدالغفار سے انھوں نے قاسم سے انھوں نے عذافر صیرفی سے وہ کہتے ہیں:

"میں حکم بن عتیبہ کے ساتھ امام محمد باقرؑ کے پاس تھا حکم بن عتیبہ امام باقرؑ سے سوالات کرنے لگے۔ امام محمد باقرؑ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ کسی بات میں دونوں (امام اور حکم) میں اختلاف ہوگیا تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اے بیٹے اٹھو اور کتاب لاؤ (چنانچہ امام جعفر صادقؑ ایک بڑی لکھی ہوئی کتاب لائے) امام محمد باقرؑ نے اس کو کھول کر دیکھنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ مسئلہ نکل آیا۔ تو امام محمد باقرؑ نے فرمایا: یہ حضرت علیؑ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور رسولِ خدا کی لکھوائی ہوئی ہے۔"[1]

ائمہ اہلِ بیتؑ کتاب الجامعہ کے وارث ہوتے ہیں

حضراتِ اہلِ بیتؑ "کتاب الجامعہ" کے یکے بعد دیگرے اور نسلاً بعد نسل وارث ہوتے رہے ہیں اور اسی سے سنتِ رسولؐ و حدیثِ پیغمبرؐ کی روایت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

(۱) —— بصائر الدرجات میں حسن بن علی سے انھوں نے احمد بن ہلال سے انھوں نے امیہ بن علی سے انھوں نے حماد بن عیسیٰ سے انھوں نے ابراہیم بن عمر یمانی سے

---

[1] رجال النجاشی ص ۲۵۵ ۔ نوٹ: ہم نے ان روایات کو کتاب "جامع احادیث الشیعہ من احکام الشریعۃ" کی ج ۱ سے نقل کیا ہے۔

انھوں نے طفیل سے انھوں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ :

" رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا : جو میں لکھوا رہا ہوں اس کو لکھو! حضرت علیؑ نے کہا : یا رسول اللہؐ کیا آپؐ کو ڈر ہے کہ میں بھول جاؤں گا ؟ رسولِ خداؐ نے فرمایا : مجھے تمھارے بارے میں تو بالکل خوف نہیں ہے اس لیے کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ تم کو ایسا حافظہ دے جس سے تم نہ بھولو۔ لیکن تم اس کو اپنے شرکا کے لیے لکھ لو۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں : میں نے کہا : اے خدا کے رسولؐ میرے شرکا کون ہیں ؟ فرمایا : تمھاری اولاد میں ہونے والے ائمہؑ "[1]

(۲) ——— بصائر الدرجات ہی میں ہے کہ ابی قاسم سے انھوں نے محمد بن یحییٰ عطار سے انھوں نے محمد بن حسن صفار سے انھوں نے محمد بن حسین سے انھوں نے صفوان سے انھوں نے علی بن خنیس سے نقل کیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ :

" تمام کتابیں حضرت علیؑ کے پاس تھیں پھر جب آپؑ نے عراق کا سفر کیا تو ان کتابوں کو جناب ام سلمہؓ کے پاس امانت رکھوا گئے جب حضرت علیؑ کا انتقال ہو گیا تو وہ کتابیں امام حسنؑ کے پاس آگئیں۔ پھر امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ کے پاس رہیں۔ جب امام حسینؑ کی شہادت ہو گئی تو امام زین العابدینؑ کے پاس تھیں اس کے بعد میرے والد کے پاس تھیں "[2]

---

[1] بصائر الدرجات ص ۱۶۷

[2] بصائر الدرجات ص ۴۳ ۔ ان روایات کو ہم نے " جامع احادیث الشیعہ فی احکام الشریعۃ " کی پہلی جلد سے نقل کیا ہے۔

(۳) ——— کافی میں سلیم بن قیس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: جب حضرت علیؑ نے اپنے بیٹے امام حسنؑ کو وصیت فرمائی اور اس وصیت پر امام حسینؑ اور محمد اور اپنی تمام اولاد اور اپنے تمام رؤسارِ شیعہ واہلِ بیت کو گواہ بنایا تو میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ حضرت علیؑ نے وصیت کرنے کے بعد کتاب وسلاح امام حسنؑ کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اے میرے بیٹے! رسولؐ خدا نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تم کو وصیت کروں اور اپنی کتابوں اور اسلحوں کو تمھارے حوالہ کروں جس طرح خود رسولؐ خدا نے مجھے وصیت فرمائی تھی۔ اور اپنی کتابوں اور اسلحوں کو میرے حوالہ فرمایا تھا اور مجھے یہ (بھی) حکم دیا تھا کہ میں تم کو حکم دے دوں کہ جب تمھاری موت آئے تو تم ان چیزوں کو اپنے بھائی حسینؑ کے حوالہ کر دینا۔ پھر حضرت علیؑ امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: رسولِؐ خدا نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم ان چیزوں کو اپنے اس بیٹے کے حوالہ کرنا اور علی ابن الحسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر بتایا۔ پھر حضرت علی ابن الحسینؑ سے حضرت علیؑ نے فرمایا: تم کو رسولؐ خدا نے حکم دیا ہے کہ تم ان چیزوں کو اپنے بیٹے محمد ابن علیؑ کے حوالہ کرنا اور رسولؐ خدا اور میری طرف سے ان کو سلام کہنا۔"[1]

(۴) ——— شیخ طوسیؒ کی کتاب الغیبۃ اور مناقب ابن شہر آشوب میں مفضل سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

---

[1] کافی ج ۲۔ ص ۷۹، از کتاب معالم المدرستین ج ۲۔ ص ۳۱۹

"مجھ سے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: جب امام حسینؑ عراق کی طرف روانہ ہوئے تو روانگی سے پہلے وصیت اور کتابوں وغیرہ کو جناب ام سلمہؓ زوجۂ رسولِ خداؐ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: جب آپ کے پاس میرا سب سے بڑا بیٹا آئے تو یہ چیزیں اس کے حوالہ کر دیجئے گا۔ جب امام حسینؑ کی شہادت ہوگئی تو امام زین العابدینؑ حضرت ام سلمہؓ کے پاس آئے اور انھوں نے ان تمام چیزوں کو امام زین العابدینؑ کے حوالہ کر دیا جن کو امام حسینؑ حضرت سلمہؓ کے سپرد کر گئے تھے۔"[1]

(۵) ——— کافی، اعلام الوریٰ، بصائر الدرجات، بحار الانوار میں لیکن ترجمہ کافی کی عبارت کا ہے۔ عیسیٰ بن عبداللہ اپنے باپ کے حوالہ سے اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں:

"وقتِ رحلت جب سب لوگ امام زین العابدینؑ کے گرد جمع تھے آپؑ اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ: اے محمد باقرؑ اس صندوق کو اپنے گھر لے جاؤ۔ پھر فرمایا: اس میں درہم و دینار نہیں ہیں البتہ یہ علم سے بھرا ہوا صندوق ہے۔"[2]

(۶) ——— بصائر الدرجات اور بحار میں عیسیٰ بن عبداللہ بن عمر کی روایت

---

[1] غیبۃ طوسی۔ طبع تبریز سن ۱۳۲۳۔ مناقب ابن شہر آشوب ج ۴۔ ص ۱۷۲
بحار۔ ج ۴۶۔ ص ۱۸۔ ماخوذ از معالم المدرستین ج ۲۔ ص ۲۲۰

[2] معالم المدرستین ج ۲۔ ص ۸۲ از اصول کافی ج ۱۔ ص ۳۰۵۔ اعلام الوریٰ ص ۲۶۰
بصائر الدرجات باب ۱ ص ۴۴

امام جعفر صادقؑ سے ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"جب حضرت علی ابن الحسینؑ کی موت کا وقت قریب آیا تو اس سے پہلے آپؑ نے ایک ٹوکری اور صندوق جو آپ کے پاس تھا نکالا اور فرمایا: اے محمد (باقرؑ) اس کو لے جاؤ۔ (راوی کہتا ہے) چار آدمیوں نے اس کو اٹھایا۔ جب علی ابن الحسینؑ کا انتقال ہو گیا تو امام محمد باقرؑ کے دونوں بھائی صندوق کے مدعی بن کر آئے اور کہنے لگے صندوق میں سے ہمارا حصہ بھی دو۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: واللہ اس میں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ اگر اس میں تمہارے لیے کچھ ہوتا تو والد ماجد اس کو مجھے نہ دیتے۔ صندوق میں رسولِ خدا کے اسلحے اور کتابیں تھیں۔" [1]

(۶) ——— زرارۃ نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"امام محمد باقرؑ کا ابھی انتقال نہیں ہوا تھا کہ کتابیں میرے پاس آ گئی تھیں۔" [2]

(۷) ——— عنبسۃ العابد کہتے ہیں:

"ہم لوگ امام جعفر صادقؑ کے چچا زاد بھائی حسین کے پاس

---

[1] معالم المدرستین ج ۲ - ص ۳۲۱ - از اصول کافی ج ۱ - ص ۳۰۵ - الوافی ج ۲ ص ۱۴۸
بصائر الدرجات ص ۱۶۵

[2] معالم المدرستین ج ۲ - ص ۳۲۱ از بصائر الدرجات ص ۱۵۸

تھے کہ ان کے پاس محمد بن عمران آگئے اور انھوں نے حسین سے کتاب ارض کا سوال کیا۔ حسین نے کہا: اچھا میں اس کو (پہلے) ابوعبداللہ الصادقؑ سے حاصل تو کر لوں۔ راوی نے کہا میں نے عرض کیا اس کا امام جعفر صادقؑ سے کیا واسطہ؟ انھوں نے کہا: یہ پہلے امام حسنؑ کے پاس تھی پھر امام حسینؑ کے پاس پھر علی ابن الحسینؑ کے پاس پھر امام محمد باقرؑ کے پاس پھر جعفرؑ کے پاس اور ہم نے انھیں کے پاس سے لکھا ہے۔" [1]

(۹) ——— حماد الصائغ سے غیبۃ النعمانی اور بحار میں منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے مفضل بن عمر کو امام جعفر صادقؑ سے سوال کرتے ہوئے سنا ——— یہاں تک کہ حماد کا یہ قول ہے: پھر ابوالحسن موسیٰ بن جعفر صادقؑ نکلے تو مفضل سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"کیا تم صاحب کتاب علی کو دیکھنا پسند کرو گے؟"

مفضل نے کہا:

"بھلا اس سے افضل بات کیا ہو سکتی ہے؟"

تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"یہی شخص صاحب کتاب علیؑ ہے۔" [2]

(۱۰) ——— کافی، ارشاد شیخ مفیدؒ، غیبت شیخ طوسیؒ اور بحار الانوار میں نعیم القابوسی کی روایت حضرت ابوالحسن موسیٰ بن جعفرؑ سے منقول ہے کہ امام ہفتمؑ نے فرمایا:

---

[1] بصائر الدرجات ص ۱۶۵ - ۱۶۶

[2] غیبۃ النعمانی ص ۱۷۷ - بحار ج ۴۸ ص ۲۲

" میرا بیٹا علیؑ میرا سب سے بڑا فرزند ہے اور میرے نزدیک سب سے زیادہ نیک ہے اور سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے میرا یہ بیٹا میرے ساتھ جفر کا مطالعہ کرتا ہے اور جفر میں سوائے نبی یا وصی کے دوسرا کوئی نظر نہیں کرسکتا۔" [1]

(۱۱) ——— رجال کشّی اور بحار الانوار میں نصر بن قابوس سے منقول ہے کہ نصر کہتے ہیں:

" میں ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظمؑ کے گھر میں تھا۔ پس حضرتؑ نے اپنے بیٹے امام رضاؑ کو مجھے دکھایا۔ اس عالم میں کہ امام رضاؑ جفر میں نظر فرما رہے تھے۔ اس پر امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: یہ میرا بیٹا علیؑ ہے اور جس میں یہ نظر کر رہا ہے وہ جفر ہے۔" [2]

⑤ شیعوں کی نسبت اہل بیتؑ کی طرف

جب یہ بات طے ہو گئی کہ اہل بیتؑ ہی کی احادیث پر عمل کرنا ضروری ہے اور یہ بات بھی ہم جانتے ہیں کہ اہل بیتؑ کی حدیث رسولِ خداؐ کی حدیث ہے اور ان کا علم رسولِ خداؐ کی میراث ہے اور ان کے ہوتے ہوئے یا اصول و احکام میں ان کی حدیثوں کے ہوتے ہوئے کسی کو اجتہاد کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو پھر مجھے یہ کہنے دیجیے کہ ہمارے برادرانِ اہل سنت کے پاس صرف ایک سوال کی گنجائش ہے اور وہ یہ کہ "اہل بیتؑ کی احادیث زیادہ تر شیعوں کی سندوں اور ان کے طریقوں

---

[1] اصول کافی ج ۱ ص ۳۱۱

[2] معالم المدرستین ج ۲ ص ۳۲۲ از رجال الکشی ص ۳۸۲

سے مروی ہیں اور اہل سنت ان طرق کو جانتے ہی نہیں تو عمل کیونکر کریں گے ؟

جواب : اہل سنت کے ہاں روایت کی صحت کا معیار راوی کا سچا ہونا اور اس کے حافظے کا عمدہ ہونا ہے۔ اگر ان کو راوی کی صداقت وحفظ پر بھروسا اور اعتبار ہے تو اس سے روایت لینے میں کبھی ہچکچاہٹ کا اظہار نہیں کرتے چاہے وہ راوی عقیدہ کے اعتبار سے غیر سُنّی ہی کیوں نہ ہو۔

اور اسی وجہ سے صحاح ستہ کے اسانید وطرق میں بہت سے شیعہ راویوں کا ذکر ملتا ہے اور اہل سنت کے بڑے بڑے محدثین نے شیعہ راویوں سے روایات لی ہیں مثلاً بخاری ، مسلم ، احمد ، نسائی ، ابن ماجہ وغیرہ ۔ حالانکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ یہ حضرات شیعہ ہیں پھر بھی ان سے روایات قبول کرتے تھے اور عقیدہ کا اختلاف ان لوگوں سے کبھی بھی روایات حاصل کرنے میں مانع نہیں ہوا۔

آیت اللہ عبد الحسین شرف الدین موسوی ؒ نے اہل سنت کے اسانید وطرق روایات میں سَو سے زیادہ شیعہ راویوں کا ذکر بطور مثال وگواہ کیا ہے۔ [1]

فریقین کے بزرگوں کی یہ سیرت رہی ہے کہ شیعہ حضرات اپنی روایتوں میں معتبر سنی راویوں پر بھروسہ کرتے تھے اور ان سے روایات لیتے تھے ۔ اسی طرح سنی حضرات شیعوں سے روایات لیا کرتے تھے

مثلاً ابان بن تغلب کوفی کٹر شیعہ تھے ۔ مسلم اور سنن اربعہ کے مؤلفین (یعنی ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ نے) ان کی بات کو دلیل قرار دیا ہے ۔ احمد بن حنبلؒ ابن معین ، ابوحاتم نے ان کی توثیق کی ہے ۔ حالانکہ یہ مشہور شیعہ تھے ۔ ذھبی نے المیزان میں ان کے حالات میں لکھا ہے:

---

[1] المراجعات ۔ ص ۵۲ – ۱۱۸ ۔ جو شواہد ہم پیش کر رہے ہیں وہ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

۱- ابان بن تغلب کوفی

سخت قسم کے شیعہ تھے لیکن صادق القول تھے۔ ہم کو ان کی صداقت سے غرض ہے۔ ان کی بدعت کا ضرر خود ان کے لیے ہے۔

۲- اسماعیل بن زکریا اسدی خلقانی

ان سے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان کے حالات میں لکھا ہے: "شیعہ تھے، سچے تھے۔" اور ان کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن کی روایات سے اصحابِ صحاح ستہ نے استدلال کیا ہے۔

۳- حبیب بن ابی ثابت کاھلی کوفی تابعی

ابن قتیبہ نے "المعارف" میں اور شہرستانی نے "الملل والنحل" میں ان کو رجالِ شیعہ میں لکھا ہے۔ ان کی روایات سے بغیر کسی تردد کے صحاح ستہ والوں نے استدلال کیا ہے۔

۴- حسن بن حی

حی کا نام صالح تھا۔ ان کا شمار شیعوں کی مقتدر شخصیات میں ہوتا تھا ابن سعد نے طبقات کی جلد نمبر ۶ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"یہ ثقہ اور صحیح الحدیث اور کثیر الحدیث تھے۔ شیعہ تھے مسلم و اصحابِ سنن نے ان سے استدلال کیا ہے۔"

صحیح کے اندر مسلم سے سماک بن حرب و اسماعیل السدی و عاصم الاحول و ہارون بن سعد نے روایت کی ہے اور حسن بن صالح سے عبیداللہ بن موسیٰ العبسی، یحیٰی بن آدم، حمید بن عبدالرحمٰن الرواسی، علی بن جعد، احمد بن یونس اور ان کے طبقہ کی تمام شخصیات نے روایات لی ہیں۔

ذہبی نے المیزان میں ان کے حالات میں لکھا ہے:

"ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے اور ابو حاتم نے کہا ہے: یہ ثقہ، حافظ اور قابلِ اعتبار تھے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے: ان کے اندر اعتبار، فقہ، عبادت، زہد سب چیزیں جمع تھیں۔ اور نسائی نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابو نعیم نے کہا ہے: میں نے ۸۰۰ محدثین سے لکھا ہے لیکن حسن بن صالح سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔"

۵۔ حکم بن عتیبۃ کوفی

ابن قتیبہ نے انھیں شیعہ کہا ہے اور اپنی کتاب "المعارف" میں ان کو رجالِ شیعہ میں شمار کیا ہے۔ بخاری و مسلم نے ان کی روایت سے استدلال کیا ہے۔

۶۔ خالد بن مخلد القطوانی

بخاری کے استاد تھے۔ ابن سعد نے اپنی طبقات کی جلد ۶ صفحہ ۲۸۵ میں ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"یہ شیعہ تھے اور شیعیت میں افراط برتتے تھے۔ لوگوں نے ان سے روایت بھی لکھی ہے۔ ابو داؤد نے ان کا (خالد کا) ذکر کرتے ہوئے کہا: سچے ہیں مگر شیعہ ہیں۔"

بخاری اور مسلم دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں متعدد جگہ ان کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور اصحاب سنن ترتیب کے سب ان کے مذہب کو جانتے ہوئے ان کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ دوسرے بہت سے رجالِ شیعہ ہیں جن کا اہل سنت کے اسانید وطرق میں ذکر ملتا ہے اور بخاری و مسلم نے ان سے استدلال کیا ہے اور اربابِ سنن نے ان حضرات کی طرف استناد بھی کیا ہے اور ان کو (شیعوں کو) میراث رسالت

کے محافظین میں شمار کیا ہے۔

اگر حضرات اہلِ سنت شیعوں کی روایات کو لغو قرار دے کر قطعی طور پر رد کر دیں تو بہت سے آثارِ نبویہ ختم ہو جائیں گے۔ جیسا کہ خود ذہبی نے اپنی کتاب المیزان میں ابان بن تغلب کے حالات تحریر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ [1]

اب یہی عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی ہیں ان کو تشیع کی طرف منسوب کیا گیا ہے [2] لیکن اس کے باوجود عباس بن عبدالعظیم کے علاوہ تمام ائمہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ البتہ عباس نے ان کے بارے میں بہت افراط سے کام لیا ہے لیکن کسی نے بھی عباس کی موافقت نہیں کی ہے [3]

ابن عدی نے ان (عبدالرزاق) کے بارے میں لکھا ہے:

"ثقاتِ مسلمین ان کے پاس سفر کر کے گئے ہیں اور ان سے احادیث لکھی ہیں۔ بس یہ ہے کہ ان کی طرف تشیع کی نسبت سب ہی نے دی ہے اور سب سے بڑی مذمت یہی ہے۔ البتہ جہاں تک معاملہ ہے صادق القول ہونے کا تو میں امید کرتا ہوں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" [4]

بخاری و مسلم دونوں نے عبدالرزاق کی روایات سے استدلال کیا ہے [5]

اہل سنت کے مقتدر علماء میں سے احادیث کے بارے میں تحقیق کے ماہرین کے کلمات بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ مثلاً ابان بن تغلب کی توثیق (حالانکہ یہ مشہور شیعہ

---

[1] ہم نے المراجعات سے نقل کیا ہے جو مزید تحقیق کرنا چاہتا ہے وہ المراجعات کا مطالعہ کرے۔

[2] مقدمہ فتح الباری ص ۴۱۸

[3]، [4]، [5] حوالۂ سابق

تھے) رواۃ و محدثین اور محدثین کی جانچ پرکھ کرنے والی جماعت نے کی ہے۔ جیسے حاکم نے مستدرک میں، ابن عجلان عقیلی نے حالانکہ انھوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ یہ تشیع میں غالی تھے، اسی طرح ابن سعد نے، ابن حبان ازدی نے۔[1]

ان تمام حضرات نے ابان کے قابلِ اعتماد ہونے کی تصدیق کی ہے۔ حالانکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ ابان شیعہ ہیں اور بعض جگہ اس کی وضاحت بھی کر دی ہے چنانچہ فتح الباری کے مقدمہ میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"ایک جماعت نے کچھ لوگوں کے بارے میں اختلافِ عقیدہ کی بنا پر طعن بھی کیا ہے لہٰذا اس پر متنبہ کر دینا ضروری ہے اور یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حق بات کے علاوہ کسی اور چیز کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اسی طرح زاہدوں اور پرہیزگاروں کی ایک جماعت نے ان لوگوں پر عیب لگایا ہے جو دنیا کی طرف مائل تھے اور اسی لیے ان کو ضعیف قرار دے دیا ہے۔ لیکن اس طرح انھیں بے وقعت قرار دینے کا کوئی اثر نہیں ہے (جبکہ) وہ سچے اور حافظے کے اچھے ہوں۔"[2]

خطیب بغدادی نے بھی غیر اہلِ سنت کے قابلِ اعتماد لوگوں کی روایت کو قبول کرنے کے لیے اس طرح استدلال کیا ہے:

"تمام اہلِ علم خواہ وہ پرانے ہوں یا نئے غیر سنیوں کی روایتوں کو (اپنی کتابوں میں) نقل کرتے رہے ہیں اور ان کی حدیثوں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۴

[2] مقدمہ فتح الباری ص ۳۸۲

سے استدلال کرتے رہے ہیں۔"

محدثین کی یہ مشہور و معروف سیرت رہی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے خطیب نے کہا:

"تمام دلیلوں میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔"

اور پھر یہی خطیب کہتے ہیں:

"(علمائے اہل سنت نے) عبیداللہ بن موسیٰ و خالد بن مخلد اور عبدالرزاق بن ہمام کی روایات سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ سب شیعہ تھے۔ اتنے زیادہ لوگوں نے اہل علم سے شیعوں کی روایتوں کو لکھا ہے (خواہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے ہوں) کہ ان کا ذکر کرنا مشکل ہے۔ ان کی روایات سے استدلال پس گویا یہ اجماعی چیز ہے اور اس سلسلہ میں یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔" [1]

اسی کے مقابلہ میں اہل سنت کے معتبر حضرات کا ذکر شیعہ احادیث میں ہے اور علمائے شیعہ نے بغیر کسی تامل کے ان سے تمسک کیا ہے۔ جیسے اسماعیل بن ابی زیاد سکونی، حفص بن غیاث، غیاث بن کلوب، نوح بن دراج وغیرہ جو اہل سنت کی مشہور شخصیات اور راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علامہؒ نے الخلاصہ میں ذکر کیا ہے۔ [2]

پس صحتِ روایت کے لیے راوی کے قابلِ اعتبار، صادق، امین، حافظ ہونے کے علاوہ مزید کسی اور چیز کی شرط نہیں ہے۔ جب ان چیزوں کا اطمینان ہو

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ - خطیب بغدادی ص ۲۰۱

[2] معجم رجال الحدیث ج ۳ ص ۱۰۶ طبع بیروت

جاتا ہے تو اصحاب سنن وصحاح اور اصحاب اصول اس راوی کی روایت قبول کرنے میں اور اس کی روایت نقل کرنے میں اور اس پر عمل کرنے میں تردد نہیں کرتے ۔

شیعہ بھی اپنے سنی بھائیوں کی طرح راوی کے قابلِ اعتبار، صادق امین حافظ ہونے کے بارے میں ان سے کم حریص نہیں ہیں۔ شیعوں کے علماء حدیث کی کتابوں کو دیکھیے ۔ وہ اس معاملہ میں کچھ زیادہ ہی سخت ہیں۔ وہ روایت کو کسی بھی طرح اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک راوی کی صداقت، امانت، ضبط وتدین کا باقاعدہ اطمینان نہ کرلیں۔

اس لیے اہل بیتؑ کی روایات قبول کرنے میں خواہ وہ حلال وحرام سے متعلق ہو یا اصول وعقائد سے' اہل سنت کے لیے کوئی عذر نہیں ہے ۔ البتہ جو روایات ضعیف ہیں جیسا کہ ہم بھی جانتے ہیں انھیں نہ وہ قبول کرسکتے ہیں اور نہ ہم قبول کریں گے ۔

بس سنی فقیہ کا فریضہ یہ ہوگا کہ جن روایات میں سند ومتن کے لحاظ سے صحیح ہونے کی شرائط موجود ہوں گی ان کو قبول کرے گا اور جن میں وہ شرائط نہ ہوں گی ان کو چھوڑ دے گا ۔ جیسے کہ خود شیعہ علماء کرتے ہیں ۔

بشرطیکہ شیعہ روایات کو شجرِ ممنوعہ نہ سمجھا جائے اور روایات واحادیث اہل بیتؑ کو روایت وحدیثِ رسولِ خداؐ سمجھا جائے ۔ اگر ایسا ہوجائے تو صرف ان روایات کی سند کی تحقیق اور ان پر اطمینان اور صحیح حدیث کے انتخاب کا کام رہ جائے گا ۔ اور یہ سب وہی امور ہیں جن کو برادران اہل سنت ان احادیثِ نبویہؐ کے سلسلہ میں انجام دیتے ہیں جو ان کے طرق سے وارد ہوئی ہیں اور جیسے شیعہ حضرات ان ہی امور کو ان روایات کے بارے میں انجام دیتے ہیں جو رسولِ خداؐ اور ان کے اہل بیتؑ کے طرق سے وارد ہوئی ہوں ۔ والحمد للہ رب العالمین ۔

کتب

صحاح ومسانید وتفاسیر میں

آیتِ تطہیر

یہ ایک ضمیمہ ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ درج بالا کتابوں میں جو معتبر روایات آئی ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیتِ تطہیر میں استعمال ہونے والا لفظ "اہل بیت" صرف پنجتن پاکؑ کے لیے مخصوص ہے

یہ ضمیمہ حضرت علامہ محقق سید مرتضیٰ عسکری مؤلف کتاب "عبداللہ بن سبا" اور مائۃ وخمسون صحابی مختلق" کی تالیف ہے۔ آیتِ تطہیر کی آخری بحثوں میں اس رسالہ کو میں نے اس لیے شامل کرنا مناسب سمجھا تاکہ اس تالیف کا مقصد مکمل ہوجائے

خداوند عالم سے ہماری دعا ہے کہ تمام مومنین کے لیے یہ فائدہ مند ثابت ہو۔

قصہ کی ابتدا

جب رسولؐ خدا نے نزولِ رحمت کو ملاحظہ فرمایا

حاکم نے اپنی کتاب (المستدرک علی الصحیحین فی الحدیث) میں

عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب[1] سے نقل کیا ہے کہ جناب عبداللہ فرماتے ہیں کہ :

"جب رسولِ خدا نے نزولِ رحمت کے سلسلہ کو دیکھا تو فرمایا: میرے پاس بلاؤ ، میرے پاس بلاؤ ۔ جناب صفیہ نے پوچھا: اے رسولِ خدا کس کو ؟ فرمایا : میرے اہلِ بیت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو ۔ چنانچہ ان کو بلایا گیا تو رسولِ خدا نے ان کے اوپر اپنی چادر ڈال دی ۔ پھر اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے فرمایا پالنے والے یہ میرے آل ہیں پس تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اپنی رحمت نازل فرما ۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی :

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ۔" [2]

حاکم کا کہنا ہے کہ :

" یہ حدیث صحیح الاسناد ہے ۔" (۱)

---

[1] عبداللہ بن جعفر ابن ابی طالب ' ان کی ماں اسماء بنت عمیس الخثعمیہ تھیں ۔ عبداللہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی ۔ یہ رسولِ خدا کے زمانہ میں موجود تھے ۸۰؁ ہجری کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے ۔ ان کے حالات اسد الغابۃ میں ج ۳ ص ۱۳۳ پر موجود ہیں ۔

حاکم یعنی امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری (رت : ۴۰۵ھ) علمائے اہل سنت کے نزدیک محدثین میں حاکم کا مرتبہ بہت بلند تھا ۔ ان کے یہاں سب سے اعلیٰ درجہ محدث کا ہے ۔ پھر حافظ ہے پھر حجۃ کا ہے پھر حاکم کا ہے ۔

المختصر فی علم رجال الاثر صفحہ ۱۷ کی طرف رجوع کیجیے ۔

[2] سورۂ احزاب ۳۳ ۔ آیت ۳۳

چادر کی قسم

الف: ام المومنین عائشہ کی حدیث میں ہے:

مسلم نے اپنی صحیح میں، حاکم نے اپنی مستدرک میں، بیہقی نے اپنی سنن کبریٰ میں اور طبری و ابن کثیر و سیوطی نے اپنی تفسیر آیتِ تطہیر کے ضمن میں لکھا ہے لیکن ترجمہ پہلے کا ہے جو عائشہ سے منقول ہے۔ وہ کہتی ہیں:

"رسولِ خدا ایک روز صبح کے وقت اس طرح نکلے کہ آپ کے اوپر کالے بالوں سے بُنی ہوئی ایک چادر تھی جس پر پالان کی تصویر تھی تو امام حسنؑ آئے ان کو آنحضرتؐ نے چادر میں لے لیا پھر امام حسینؑ آئے ان کو بھی چادر کے اندر لے لیا۔ پھر (حضرت) فاطمہؑ آئیں ان کو بھی چادر کے اندر لے لیا پھر (حضرت) علیؑ آئے اور ان کو بھی چادر کے اندر لے لیا اور فرمایا: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس ... الخ" ؎ (۲)

ب: امِ سلمہ کی حدیث میں ہے:

جس کو طبری اور قرطبی نے اپنی اپنی تفسیروں میں آیت تطہیر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جناب امِ سلمہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں:

"جب یہ آیت (انما یرید اللہ ... الخ) نازل ہوئی تو رسولِ خدا

؎ ام المومنین عائشہ خلیفہ اول ابوبکر ابن ابی قحافہ کی بیٹی تھیں۔ رسولِ خدا نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے ۱۰ ماہ بعد ان سے شادی کی تھی۔ ان کا انتقال ۵۶ھ، ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ہوا ہے۔ ان کی نماز جنازہ ابوہریرہ نے پڑھائی اور بقیع میں دفن کیا گیا۔

نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر ان کے اوپر ایک کسا خیبری ڈال دیئے (۳)

اور دوسری روایت میں جو جناب ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ اس میں ہے:
"ان کو عبا اوڑھا دی۔" (۴)

اس روایت کو سیوطی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور ابن کثیر نے اسی طرح اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اہل بیتؑ کی چادر کے نیچے بیٹھنے کی کیفیت

ج : عمر ابن ابی سلمہ کی حدیث میں ہے :
طبری اور ابن کثیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں، ترمذی نے اپنی صحیح میں طحاوی نے مشکل الآثار میں لکھا ہے لیکن میں طبری کی عبارت کا ترجمہ کرتا ہوں کہ عمر بن ابی سلمہ نے کہا :

"آیت تطہیر جناب ام سلمہ کے گھر رسولِ خدا کے اوپر نازل ہوئی آپؐ نے حسنؑ و حسینؑ و فاطمہؑ کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور علیؑ کو بلا کر اپنے پیچھے بٹھایا اور پھر اپنے اور ان سب کے اوپر ایک چادر ڈال کر فرمایا : یہ میرے اہل بیت ہیں (اے خدا)

ے ام سلمہ ہند ابنۃ ابی امیۃ القرشی المخزومی! ان کے پہلے شوہر کے انتقال کے بعد رسولِ خدا نے ان سے شادی کر لی تھی۔ ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسد جنگ احد میں کچھ زخمی ہو گئے تھے جس کے نتیجہ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ جناب ام سلمہ کا انتقال امام حسینؑ کی شہادت کے بعد سن ۶۰ یا ۶۱ میں ہوا ہے آپ کے حالات اسد الغابۃ اور تقریب التہذیب میں ملاحظہ فرمایئے۔

ان سے رجس کو دُور کر اور ان کو ایسا طاہر کر جیسا طاہر کرنے کا حق ہے۔ (۵)[۴]"

ابن عساکر والی روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ امّ سلمہ نے کہا:

"مجھے بھی ان لوگوں کے ساتھ کر لیجیے۔ رسولِ خدا نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو اور تم خیر پر ہو۔"

واثلہ بن الاسقع[۵] (۶) اور ام سلمہ (۷) کی حدیث میں ہے:

"علیؑ و فاطمہؑ کو اپنے سامنے اور حسنؑ و حسینؑ کو اپنی رانوں پر یا گود میں بٹھایا۔ جیسا کہ واثلہ سے حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کر کے کہا ہے: یہ حدیث شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے۔"

اہل بیتؑ کے اجتماع کی جگہ

ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے:

سیوطی نے اپنی کتاب درمنثور میں آیتِ تطہیر کی تفسیر میں ابو سعید

---

[۴] عمر بن ابی سلمہ القرشی المخزومی رسولِ خدا کے زیرِ پرورش رہے تھے ان کی ماں ام سلمہ تھیں ان کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی۔ حضرت علیؑ کے ساتھ صفین میں تھے اور آپؑ کی طرف سے جنگ کی تھی۔ حضرت علیؑ نے ان کو بحرین اور فارس کا عامل بنایا تھا۔ ۸۳ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا ان کے حالات اسد الغابۃ ج ۴ ص ۷۹ میں ہیں۔

[۵] واثلہ بن الاسقع بن کعب اللیثی۔ یہ غزوۂ تبوک سے کچھ پہلے اسلام لائے۔ کہا جاتا ہے کہ تین سال تک رسولِ خدا کی خدمت کی تھی۔ اور دمشق یا بیت المقدس میں ۸۳ھ کے بعد انتقال کیا۔ ان کے حالات اسد الغابۃ ج ۵ ص ۷۷ میں ہیں۔

سے نقل کیا ہے کہ:

"جس دن جناب ام سلمہ کی باری تھی جبرئیل آیت تطہیر لے کر آئے ابوسعید کہتے ہیں: رسولؐ خدا نے حسنؑ حسینؑ و فاطمہؑ و علیؑ کو بلایا پھر سب کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان سب پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ اور ام سلمہ اور ان افراد کے درمیان پردہ حائل کر دیا پھر فرمایا: پالنے والے یہ میرے اہل بیت ہیں۔ پالنے والے میرے اہل بیت سے رجس کو دور کر اور ان کو اس طرح پاک و پاکیزہ قرار دے جو پاک و پاکیزہ قرار دینے کا حق ہے۔ جناب ام سلمہ نے کہا: اے رسولؐ اللہ کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟ فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو۔ تم خیر پر ہو"[8] ؎

ام سلمہ کی حدیث میں ہے:

ابن کثیر، سیوطی، سنن بیہقی، خطیب کی تاریخ بغدادی، طحاوی کی مشکل الآثار میں آیت تطہیر کی تفسیر میں ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ ترجمہ تفسیر ابن کثیر کا پیش کیا جا رہا ہے۔ جناب ام سلمہؓ کہتی ہیں:

"آیت تطہیر میرے گھر میں اس وقت اتری جب میرے گھر میں فاطمہؑ، علیؑ، حسنؑ و حسینؑ موجود تھے۔ رسولؐ خدا کے اوپر

؎ حدیث کے دیگر طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسعید نے بھی اس حدیث کو براہ راست ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے اور یہ ابوسعید سعد بن مالک الانصاری الخزرجی الخدری جنگ خندق اور اس کے بعد ہونے والی جنگوں میں شریک رہے تھے سنہ ۶۳ھ یا سنہ ۶۴ھ کے بعد مدینہ میں انتقال ہوا۔ ان کے حالات اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۸۹ میں دیکھیے۔

ایک چادر تھی آپ نے اس کو ان لوگوں پر ڈال دیا۔ پھر فرمایا:
یہی میرے اہل بیت ہیں۔ پس ان سے رجس کو دور کر دے اور
اس طرح پاک و پاکیزہ قرار دے جو پاک و پاکیزہ قرار دینے کا
حق ہے۔"(۹)

مستدرک الصحیحین میں جو حاکم کی روایت ہے۔ اس میں بھی ہے کہ ام سلمہؓ نے کہا:

"یہ آیت میرے گھر میں اتری ہے۔"

صحیح ترمذی میں باب فضائل فاطمہؑ کے اندر[لے] اور ریاض نضرۃ اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

"پالنے والے یہی میرے اہل بیت ہیں اور میرے خصوصی لوگ ہیں
ان سے رجس کو دور کر دے اور پاک کرنے کی طرح پاک کر دے۔"(۱۰)

اور مسند احمد میں ہے۔ ام سلمہ نے کہا:

"میں نے اپنا سر اس (چادر والے) گھر میں داخل کر کے کہا: اور
میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں اے خدا کے رسولؐ؟ فرمایا:
تمھارا (راستہ) خیر کی طرف ہے۔ تمھارا راستہ خیر کی طرف ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے:

"میں نے چادر کا ایک گوشہ پکڑ کر اٹھایا تاکہ میں بھی اس کے اندر
داخل ہو جاؤں مگر رسولِ خداؐ نے اس کو کھینچ لیا اور فرمایا:

لے ترمذی نے اس باب میں عمر بن ابی سلمہ، انس بن مالک، ابی الحمراء، معقل بن یسار اور عائشہ سے نقل کیا ہے۔

تم خیر پر ہو۔" (۱۱)

حاکم کی جو روایت مستدرک میں ہے اس میں ہے: ام سلمہ نے کہا:

"یا رسولؐ اللہ کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم خیر پر ہو۔ مگر یہ میرے اہل بیت ہیں۔ پالنے والے میرے اہل بیت زیادہ حق دار ہیں۔" (۱۲)

نزولِ آیت کے وقت کون لوگ گھر میں تھے؟

تفسیرِ سیوطی اور مشکل الآثار میں ہے۔ ترجمہ سیوطی کی عبارت کا پیش خدمت ہے۔ ام سلمہ فرماتی ہیں:

"آیتِ تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی اور اس وقت میرے گھر میں سات آدمی تھے۔ جبرئیل، میکائیل، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور میں گھر کے دروازے پر تھی میں نے کہا: اے رسولؐ خدا کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا: تم خیر پر ہو۔ تم خیر پر ہو۔ تم رسولؐ کی بیویوں میں سے ہو۔" (۱۳)

ابن عساکر کی روایت میں اتنا اور ہے

"یہ نہیں کہا کہ تم اہل بیت میں سے ہو۔"

نزولِ آیت کے وقت اہل بیتؑ کس حالت میں تھے؟

تفسیرِ طبری میں ابو سعید خدری کے واسطے سے ام سلمہؓ کی روایت ہے آیتِ تطہیر ان کے گھر میں نازل ہوئی۔ ام سلمہ فرماتی ہیں:

" میں گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی ۔" (۱۴)

تفسیر طبری ہی میں ام سلمہ سے منقول ہے ۔ وہ فرماتی ہیں :

" سب (علیؑ و فاطمہؑ و حسنینؑ) رسولؐ کے پاس جمع ہو گئے تو رسولِ خداؐ کے اوپر جو چادر تھی آپؐ نے اس کو سب کے اوپر ڈال دیا ۔ پھر فرمایا : (خدایا) یہی میرے اہل بیت ہیں لہٰذا ان سے رجس کو دور کر دے اور ان کو پاک کرنے کی طرح پاک قرار دے ۔ جب یہ سب فرش پر اکٹھا ہوئے تو یہ آیت اتری تھی ۔"

ام سلمہ کہتی ہیں :

" میں نے کہا : اے رسولِ خداؐ کیا میں بھی (اس میں شامل ہوں) خدا کی قسم یہ تو بہت بڑی نعمت ہے ۔ حضرتؐ نے فرمایا : تم خیر پر ہو ۔" (۱۵)

آیت کے لفظوں کی شرح

راغب اصفہانی اپنی کتاب "مفردات القرآن" میں مادہ (رود) کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں :

" جب کہا جائے اَرَادَ اللّٰہُ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے فلاں کام کا فیصلہ کیا ہے اراد بکم سوءا او اراد بکم رحمۃ ۔"

اور مادہ " الرجس " میں کہا ہے

" الرجس : یعنی پلید ، ناپاک ۔"

اس کے بعد کہتے ہیں :

" رجس چار طرح کا ہوتا ہے۔ ۱۔ طبیعت کے اعتبار سے۔
۲۔ عقل کے اعتبار سے ۳۔ شرع کے اعتبار سے۔
۴۔ ہر ایک اعتبار سے جیسے مردار، جوا، شرک وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر ثعالبی ج ۳۔ ص ۲۲۸ میں ہے :

" رجس کا اطلاق اثم (گناہ) پر، عذاب پر، نجاستوں پر، نقائص پر ہوتا ہے۔ خدا نے ان سب کو اہل بیتؑ سے دور کر دیا ہے۔"

'رجس' کا لفظ (بطور مثال) درج ذیل مقامات پر آیا ہے :

(۱) ——— إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۹۰)

" شراب اور جوا اور بُت اور پانسے تو بس ناپاک (بُرے) شیطانی کام ہیں۔"

(۲) ——— فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ۔" (سورہ حج ۲۲ آیت ۳۰)

" تم رجس یعنی ناپاک بتوں سے اجتناب کرو۔"

(۳) ——— إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ۔" (سورہ انعام ۶۔ آیت ۱۴۵)

" مگر جب وہ مُردہ ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو تو بے شک یہ چیزیں رجس (ناپاک) ہیں (اور حرام ہیں)"

(۴) ——— " كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ۔" (سورہ انعام ۶۔ آیت ۱۲۶)

" اسی طرح خدا بُرائی کو ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ۔"

۵ ——— فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۔"

(سورہ توبہ ۹ - آیت ۹۵)

" تم ان کی طرف سے اعراض کرلو ۔ بے شک یہ لوگ کثیف و ناپاک ہیں ۔"

۶ ——— قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ ۔" (سورہ اعراف ۷ - آیت ۷۱)

" (جناب ہودؑ نے) کہا (بس یہ سمجھ لو) تمہارے اوپر تمہارے خدا کی طرف سے عذاب اور غضب نازل ہو چکا ۔"

اور آیتِ تطہیر میں طہارت کی شان اس طرح کی ہے جس طرح مندرجہ ذیل آیت میں بیان ہوئی ہے :

" وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰٮكِ عَلٰى نِسَآءِ الۡعٰلَمِيۡنَ ." (سورہ آل عمران ۳ - آیت ۴۲)

" اور وہ (واقعہ بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم تم کو خدا نے برگزیدہ کیا اور (تمام برائیوں اور گناہوں سے) پاک وصاف رکھا اور سارے دنیا جہان کی عورتوں میں سے تم کو منتخب کیا ہے ۔"

اور حدیث میں جو لفظ کسار آیا ہے ۔ اس سے مراد وہ لباس ہے جو عبا کی طرح کا ہوتا ہے اور تمام کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے ۔

روایات کی رُو سے آیت کی تفسیر

تفسیرِ سیوطی میں ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں : رسولِ خدا نے فرمایا :

"خدا نے تمام مخلوق کو دو قسموں پر تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے جو بہترین قسم تھی اس میں قرار دیا .... یہاں تک کہ فرمایا: پھر قبائل کو گھرانوں میں تقسیم کیا اور ہم کو سب سے بہتر گھرانے میں قرار دیا۔ اسی کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے اِنَّمَا یرید اللّٰہ ...الخ پس میں اور میرے اہل بیت تمام گناہوں سے پاک ہیں۔" تے (۱۶)

اور تفسیرِ سیوطی میں جو حدیث ضحاک[۱۷] بن مزاحم سے مروی ہے۔ اس میں ہے کہ :

"ہم وہ اہل بیت ہیں جن کو خدا نے طیب وطاہر کیا ہے۔ اور ہم شجرۂ نبوت سے ہیں، پیغام ربانی کا مرکز ہیں اور بیتِ رحمت سے ہیں اور ہم معدنِ علم ہیں ہمارے پاس

تے حضرت رسولِ خدا کے چچا عباس کے بیٹے عبداللہ تھے انھیں کو ابن عباس کہا جاتا ہے۔ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے اور ۶۸ھ میں طائف میں انتقال فرمایا۔ ان کے حالات اسد الغابۃ میں ہیں۔

طے ابوالقاسم یا ابو محمد ضحاک بن مزاحم بھی کہتے ہیں۔ ان کے بارے میں ابن حجر نے کہا ہے : صادق تھے، بہت زیادہ روایات نقل کرنے والے تھے اور راویوں کے پانچویں طبقے سے تعلق رکھتے تھے ۱۰۵ھ میں انتقال ہوا ہے۔ ان کے حالات تقریب التہذیب کی ج ۱، ص ۳۷۳ پر ہیں۔

ملائکہ کی آمد و رفت رہتی ہے۔" (۱۷)

تفسیر طبری اور محب الدین طبری کی ذخائر العقبیٰ میں ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ:

"رسولِ خدا نے فرمایا: آیتِ تطہیر پانچ اشخاص میرے، علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" (۱۸)

مشکل الآثار میں جنابِ ام سلمہ سے روایت ہے:

"آیتِ تطہیر رسولِ خدا، حضرت علیؑ، جناب فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" (۱۹)

گزشتہ روایات میں رسولِ خدا سے آیتِ تطہیر کی شرح اور اس کا بیان قولاً اور عملاً بیان کیا جا چکا ہے:

صحیح مسلم میں ہے:

"جب صحابیٔ رسولؐ زید بن ارقم[کے] سے پوچھا گیا رسولؐ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا ان کی بیویاں؟ تو زید نے کہا: نہیں خدا کی قسم (نہیں) عورت شوہر کے ساتھ ایک مدت تک رہتی ہے۔ پھر جب مرد طلاق دے دیتا ہے تو وہ اپنے باپ اور اپنی قوم کی طرف چلی جاتی ہے۔ لیکن رسولِ خدا کے اہل بیتؑ ان کی اصل اور وہ اہلِ خاندان ہیں جن پر صدقہ

کے زید بن ارقم خزرجی جنگِ احد میں رسولِ خدا نے ان کم عمری کی بنا پر جنگ میں نہیں جانے دیا لیکن اس کے بعد والی جنگوں میں رہے اور صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کوفہ میں وفات پا گئے۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۹۹ پر ان کے حالات درج ہیں۔

حرام ہے۔" (۲۰)

ہیثمی کی مجمع الزوائد میں ابوسعید خدری سے منقول ہے:

"وہ اہل بیتؑ جن سے خدا نے رجس کو دور کیا ہے اور ان کو پاک و پاکیزہ قرار دیا ہے (یہ کہہ کر اپنی انگلیوں پر گنا) اور کہا: وہ پانچ ہیں رسولؐ خدا، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام۔" (۲۱)

طبرانی نے اپنی تفسیر میں قتادہ[کے] سے آیتِ تطہیر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ قتادہ نے کہا:

"اہلِ بیتؑ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے بُرائیوں سے پاک قرار دیا ہے اور اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔" (۲۲)

آیتِ تطہیر کی تفسیر میں طبری نے بھی کہا ہے:

"اے اہلِ بیتِ محمدؐ خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے برائیوں اور فحشاء کو دُور رکھے اور گناہگاروں میں جو پلیدگی، کثافت اور گندگی ہوتی ہے اس سے تم کو پاک و پاکیزہ قرار دے۔" (۲۳)

نزولِ آیت کے بعد رسولؐ نے جو کیا

مجمع الزوائد میں ابو برزہ[لے] سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں:

کے قتادہ چار گزرے ہیں سدوسی، راوی، قیسی، انصاری اور سب کے سب ثقہ تھے۔ ان کے حالات تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ میں درج ہیں۔

لے ابو برزہ الاسلمی ان کا ذکر صحابہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ان کا انتقال کوفہ میں ۶۰ھ یا ۶۴ھ میں ہوا ہے۔ ان کے حالات اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۴۶ میں مذکور ہیں۔

"میں نے رسولِ خدا کے ساتھ سترہ (۱۷)٭٭٭ مہینے نماز پڑھی۔ آپؐ جب بھی اپنے گھر سے نکلتے تھے (تو پہلے) فاطمہؑ کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے: الصلاۃ علیکم، انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ۔" (۲۴)

تفسیر سیوطی میں ابن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

"میں رسولِ خدا کے ساتھ نو۹ ماہ رہا۔ آپؐ روزانہ ہر نماز کے وقت علی ابن ابی طالبؑ کے دروازے پر آکر فرماتے تھے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اہل البیت - انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الخ۔" (۲۵)

صحیح ترمذی، مسند احمد، مسند طیالسی، مستدرک الصحیحین، اسد الغابہ، تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر سیوطی میں انس؎ بن مالک سے مروی ہے۔ ترمذی کے مطابق انس کی روایت کا ترجمہ یہ ہے:

"رسولِ خدا (مسلسل) چھ ماہ تک جناب فاطمہؑ کے دروازے سے گزرتے رہے اور جب بھی نمازِ صبح کے لیے ادھر سے گزرتے تھے فرماتے تھے: الصلاۃ یا اہل البیت! انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الخ" (۲۶)

استیعاب، اسد الغابہ، مجمع الزوائد، مشکل الآثار، تفسیر طبری،

٭٭٭ شاید یہ سبعۃ اشہر رہا ہو یعنی سات ماہ۔ کاتب نے غلطی سے ۱۷ ماہ لکھ دیا ہو۔

؎ انس بن مالک انصاری خزرجی یہ خود راوی ہیں کہ انھوں نے دس سال رسولِ خدا کی خدمت کی ہے سنہ۹۰ھ کے بعد بصرہ میں انتقال ہوا۔ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۷ پر ان کے حالات درج ہیں۔

تفسیر ابن کثیر اور تفسیر سیوطی میں ابوالحمراؑ؎ سے روایت ہے۔ ہم سیوطی کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہیں ابوالحمراء کہتے ہیں:

"میں نے رسولؐ خدا سے آٹھ ماہ مدینہ میں (قرآن) حفظ کیا اور یہ کوئی ایک مرتبہ کی بات نہیں ہے بلکہ جب بھی آپؐ نماز صبح کے لیے نکلتے تھے تو علیؑ کے دروازے پر آکر دروازے کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر فرماتے تھے: الصلاۃ الصلاۃ - انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الخ۔"

ایک روایت میں چھ ماہ، ایک میں سات ماہ، ایک میں آٹھ ماہ اور ایک روایت میں نو ماہ آیا ہے۔ (۲۷)

مجمع الزوائد اور تفسیر سیوطی میں ابوسعید خدری کی روایت ہے مگر لفظوں کے اختلاف کے ساتھ۔ چنانچہ اس میں ہے:

"چالیس صبح رسولِؐ خدا دروازۂ فاطمہ پر آئے اور فرمایا: السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الصلاۃ رحمکم اللّٰہ انما یرید اللّٰہ لیذھب .... الخ انا حرب لمن حاربتم۔ انا سلم لمن سالمتم۔" (۲۸)

"جس سے تم جنگ کرو اس سے میری جنگ ہے۔ اور جس سے تم دوستی رکھو اس سے میری دوستی ہے۔"

؎ ابوالحمراء رسولِؐ خدا کا غلام تھا۔ بعضوں نے کہا ہے اس کا نام ہلال ابن الحارث تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا نام ہلال ابن ظفر تھا۔ اس کے حالات اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۷۴ اور تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۷۸ پر ہیں۔

جن حضرات نے آیتِ تطہیر سے فضیلتِ اہلِ بیتؑ پر استدلال فرمایا ہے

۱: امام حسن ابن علی علیہما السلام

حاکم نے مستدرک الصحیحین میں امام حسنؑ کے فضائل کے ضمن میں اور ہیثمی نے فضائل اہل بیتؑ کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں فرمایا:

"اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا (وہ جان لے کہ) میں حسنؑ بن علیؑ ہوں، میں ابن النبیؐ ہوں میں ابن الوصی ہوں، میں ابن البشیر ہوں، میں ابن النذیر ہوں، میں خدا کی طرف بلانے والے کا بیٹا ہوں، میں سراجِ منیر کا فرزند ہوں، میں ان اہل بیتؑ سے ہوں جن کے یہاں جبرئیل اترتے تھے اور جہاں سے صعود کرتے تھے۔ میں ان اہل بیتؑ میں سے ہوں جن سے خدا نے رجس کو دور کر دیا ہے اور ان کو پاک و پاکیزہ قرار دیا ہے" (۲۹)

مجمع الزوائد اور تفسیر ابن کثیر میں ہے لیکن ترجمہ اول الذکر کا ہے:

"حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد جب امام حسنؑ خلیفہ ہو گئے تو ایک دن آپؑ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر آپؑ کے کولھے پر خنجر کا وار کیا جس سے آپؑ بیمار پڑ گئے اور کئی مہینے بیمار رہے پھر ایک دن آپؑ نے منبر پر آکر خطبہ دیا اور فرمایا: اے عراق والو! ہمارے بارے میں خدا سے ڈرو۔ ہم تمھارے امیر اور

مہمان ہیں۔ ہم وہی اہل بیتؑ ہیں جن کے بارے میں خدا نے آیتِ تطہیر انما یرید اللہ لیذھب عنکم الخ نازل فرمائی ہے۔ اس دن آپ کا خطبہ جاری تھا اور مسجد میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو رو نہ رہا ہو۔"

طبرانی نے بھی اس کی روایت کی ہے اور اس کے سب راوی معتبر ہیں۔ (۳۰)

۲ : حضرت امِ سلمہؓ

طحاوی کی مشکل الآثار میں عمرۃ الھمدانیہ سے مروی ہے وہ کہتی ہے :

"میں ام سلمہ کے پاس آئی اور ان کو سلام کیا تو انھوں نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا : عمرۃ ہمدانیہ (عمرۃ کہتی ہے) مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو ہمارے درمیان قتل کر دیا گیا جس کے کچھ لوگ دوست ہیں اور کچھ لوگ دشمن ہیں۔ میری مراد علی ابن ابی طالبؑ سے ہے۔ ام سلمہ نے کہا : تم ان سے محبت کرتی ہو یا ان سے بغض رکھتی ہو؟ میں نے جواب دیا: نہ میں ان کو محبوب رکھتی ہوں اور نہ ہی ان سے بغض رکھتی ہوں ۔ؔ ام سلمہ نے فرمایا: جب آیتِ تطہیر نازل ہوئی ہے یعنی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ تو اس وقت میرے گھر میں جبرئیل، رسولِ خدا، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میں نے کہا: اے خدا کے رسولؐ کیا میں بھی اہل بیتؑ

ؔ اصل میں یہاں پر کچھ نہیں ہے۔ اتنی عبارت قرینہ مقام کی وجہ سے میں نے اضافہ کیا "ام سلمہؓ نے فرمایا" مترجم

سے ہوں؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: تمھارے لیے خدا کے پاس خیر ہے
اگر رسولؐ ہاں کہہ دیتے تو یہ بات ساری دنیا سے زیادہ میرے
نزدیک محبوب ہوتی۔" (۳۱)

۳ : سعد بن ابی وقاص

خصائص نسائی میں عامرؓ[۵] بن سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ:

معاویہ نے سعد کو حکم دیا اور کہا:

"تم ابوتراب (علیؑ) پر سب و شتم کیوں نہیں کرتے؟"

سعد نے کہا:

"میں انھیں گالی نہیں دے سکتا۔ کیونکہ تین باتیں جو رسولِؐ خدا نے ان (علیؑ) کے لیے فرمائی ہیں وہ مجھے یاد آجاتی ہیں۔ اور اگر ان میں سے ایک بات بھی میرے لیے ہوتی تو وہ سرخ اونٹوں سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی۔ میں نے خود رسولؐ خدا کو اس وقت جبکہ وہ علیؑ کو کسی غزوہ میں اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے اور علیؑ نے کہا یا رسولؐ اللہ کیا مجھے عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا رہے ہیں؟ تو فرماتے ہوئے سنا: اے علیؑ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ مجھ سے تم کو وہی نسبت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ بس اتنا فرق ہے کہ میرے بعد نبوت ختم ہے۔

---

[۵] عامر بن سعد بن ابی وقاص کی حدیث کو تمام ارباب صحاح نے لکھا ہے۔ ابن حجر نے کہا ہے: معتبر ہیں اور محدثین کے تیسرے طبقہ سے متعلق ہیں سن ۱۰۴ ہجری میں انتقال ہوا۔ تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۸۷

اور خیبر کے دن فرماتے ہوئے سُنا : کل عَلم ایسے مرد کو دوں گا جس کو اللہ و رسولؐ دوست رکھتے ہوں گے اور جو خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا ۔ ہم لوگوں نے ایڑی اونچی کر کے اپنے کو لمبا کیا مگر آپؐ نے فرمایا: علیؑ کو بلاؤ ۔ علیؑ کو لایا گیا مگر وہ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے ۔ آنحضرتؐ نے آپؑ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور پرچم اسلام ان کے حوالہ کیا ۔ اور جب آیتِ تطہیر نازل ہوئی ۔ تو رسولِ خدا نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر کہا : خدایا ! یہی میرے اہل بیتؑ ہیں ۔" (۳۲)

آیتِ تطہیر کی تفسیر جو تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر اور مستدرکِ حاکم اور مشکل الآثار میں ہے ۔ اس میں ہے ۔ ترجمہ اول الذکر کتاب کا ہے :

" سعد نے کہا : جب رسولِ خدا پر وحی نازل ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؑ اور ان کے دونوں بیٹوں (حسنؑ و حسینؑ) اور فاطمہؑ سب کو (بلا کر) ایک کپڑے کے نیچے داخل کر لیا ۔ پھر فرمایا : یہی میرے اہل ہیں اور میرے اہل بیتؑ ہیں ۔" (۳۳)

۴ : عبداللہ ابن عباسؓ

الف : تاریخ طبری اور تاریخ ابن اثیر میں ہے ۔ ترجمہ اول الذکر کتاب سے ہے کہ :

" جب عمر نے ابن عباس سے کہا : اے بنی ہاشم افسوس واللہ تمھارے دلوں میں ہمیشہ حسد و کینہ رہا اور ہمیشہ ایسا کھوٹ رہا جو کبھی دور نہیں ہوا ۔ تو اس کے جواب میں ابن عباس نے کہا : امیرالمومنین ذرا ٹھہریے ! جس قوم کے دل سے خدا نے

رجس کو دُور کردیا ہو اور دھوکے اور عداوت سے پاک کردیا ہو اس کے لیے آپ نہ کہیے کہ اس میں دھوکہ اور عداوت ہے آخر قلب رسولِ خدا بھی بنی ہاشم ہی کے قلوب میں سے تھا۔"(۳۴)

ب : مسند امام احمد، خصائص النسائی، ریاض النضرۃ، مجمع الزوائد میں ہے۔ ترجمہ اول الذکر کتاب سے ہے : (۳۵)

"عمرو[ؒ] بن میمون کہتے ہیں : میں ابن عباس کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کے پاس نو قبیلوں کے لوگ آئے اور آتے ہی انھوں نے کہا : اے ابن عباس یا تو ہمارے پاس اُٹھ کر آئیے یا ان لوگوں کو ہٹائیے تاکہ تنہائی ہو سکے۔ ابن عباس نے کہا میں ہی اٹھ کر تمھارے پاس آتا ہوں۔ راوی کہتا ہے ابن عباس اس وقت ٹھیک تھے نابینا نہیں ہوئے تھے۔ پھر ان لوگوں نے کیا باتیں کیں مجھے نہیں معلوم۔ لیکن ابن عباس اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے آئے اور بولے : اُف اور تُف ہو یہ لوگ ایسے شخص کی برائی کرتے ہیں جس میں دس خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ اور پھر گناتے گناتے کہا : رسولِ خدا نے اپنا کپڑا لیا اور اس کو علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ پر ڈالا اور فرمایا : انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔"

ؒ عمرو بن میمون الاودی تابعی ہیں اور معتبر ہیں۔ اصحاب صحاح نے ان کی حدیث لی ہے ۷۴ھ میں کوفہ میں وفات ہوئی۔ تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۸۰

۵ : واثلہ بن الاسقع

طبری نے آیتِ تطہیر کی تفسیر میں ، ابن حنبل نے اپنی مسند میں ، حاکم نے اپنی مستدرک میں کہا ہے یہ شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق صحیح ہے ۔ بیہقی نے اپنی سنن میں ، طحاوی نے مشکل الآثار میں ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے ۔ ترجمہ اول الذکر کتاب کا ہے:

ابو عمارؔ کہتے ہیں :

" میں واثلہ بن الاسقع کے پاس بیٹھا تھا کہ لوگوں نے علیؑ کا ذکر چھیڑ دیا اور ان پر سب و شتم کرنے لگے ۔ جب سب لوگ اٹھ کر چلے گئے تو واثلہ نے مجھ سے کہا : تم بیٹھو تاکہ میں تم کو اس شخص کے بارے میں بتاؤں جس کو یہ لوگ ابھی گالیاں دے رہے تھے (سنو) میں رسولِؐ خدا کے پاس تھا کہ اتنے میں رسولؐ کے پاس علیؑ ، فاطمہؑ ، حسنؑ ، حسینؑ آئے ۔ آنحضرتؐ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور فرمایا : خدایا یہی میرے اہل بیت ہیں ۔ پروردگار ان سے رجس کو دور کر دے اور ان کو پاک کرنے کی طرح پاک قرار دے ۔ " (۳۶)

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس کو اچھی خاصی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے ۔ اسد الغابہ میں شداد بن عبداللہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں :

" میں نے واثلہ بن الاسقع سے اس وقت سنا جب امام حسینؑ کا سر لایا گیا اور ایک شخص نے ان پر لعنت کی ۔ کہ وہ کھڑے

ؔ ابو عمار شداد بن عبداللہ القرشی الدمشقی ۔ یہ ثقہ ہیں اور چوتھے طبقے کے محدثین میں سے ہیں اصحاب صحاح نے ان سے حدیث لی ہے ۔ ان کے حالات تقریب التہذیب ج ۱ ص ۳۴۷ میں ہیں

ہو گئے اور فرمایا: خدا کی قسم جب سے میں نے رسولِ خدا سے سُنا ہے کہ آپ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں فرمایا: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الوتب سے میں ان پانچوں تن کو دوست رکھتا ہوں۔" (۳۷)

جناب ام سلمہ سے بھی ہے:

مسند احمد، تفسیر طبری، مشکل الآثار میں ہے۔ ترجمہ مسند احمد کی عبارت کا ہے:

"شہر بن حوشب بیان کرتے ہیں: میں نے رسولِ خدا کی زوجہ جناب ام سلمہ سے اس وقت سنا جب حسینؑ بن علیؑ کی شہادت کی خبر آئی تو ام سلمہ نے اہلِ عراق پر لعنت فرمائی اور کہا: انھوں نے حسینؑ کو قتل کیا خدا ان کو قتل کرے۔ انھوں نے حسینؑ کو دھوکہ دیا اور ذلیل کیا خدا ان پر لعنت کرے۔ میں نے رسولؐ خدا کو دیکھا ہے ...... یہاں تک کہ فرمایا: ان کے اوپر خیبری کسا ڈال دی اور اس میں سب کو لے لیا پھر فرمایا: پالنے والے (یہی) میرے اہل بیتؑ ہیں۔ ان سے رجس کو دور کر دے اور ایسا پاک کر دے جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔"

ق۳۷ ہم نے مختصر طور سے اس حدیث کو بیان کیا ہے پوری حدیث مسند احمد کے مسند ام سلمہ میں دیکھیے: ۔ شہر بن حوشب اشعری شامی صدوق ہیں ان کا شمار تیسرے طبقہ کے محدثین میں ہوتا ہے۔ ان کی حدیث اصحاب صحاح نے قبول کی ہے ۱۱۲ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے حالات تقریب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ میں ہیں۔

۶: امام زین العابدین علیہ السلام

طبری، ابن کثیر، سیوطی نے اپنی اپنی تفسیروں میں آیت تطہیر کے ضمن میں لکھا ہے:

"امام زین العابدین نے ایک شامی سے فرمایا: کیا تم نے سورہ احزاب میں آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: کیا آپ لوگ وہی ہیں؟ امام نے فرمایا: ہاں۔"

پوری روایت اس طرح ہے جیسا کہ مقتل خوارزمی میں ہے:

"امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جب ان کے اہل و عیال کو قیدی بنا کر شام لے گئے تو ساتھ میں امام زین العابدینؑ کو بھی ہتھکڑی و بیڑی پہنا کر لے گئے اور جامع مسجد دمشق کی سیڑھیوں پر ان قیدیوں کو روکا گیا۔ اس وقت ایک بڈھا شامی امام سجادؑ کے قریب گیا اور بولا: اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے تم لوگوں کو قتل کیا اور ہلاک کیا، اور اپنے بندوں کو تمھارے مردوں سے راحت عطا کی اور امیر المومنین کو تم پر فتح و نصرت دی۔ امام سجادؑ نے پوچھا: اے شیخ کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟

شیخ: ہاں پڑھا ہے۔

امام: کیا اس میں آیت مودت "قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى" [1] کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی

---

[1] سورہ شوریٰ ۴۲ - آیت ۲۳

اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔" پڑھی ہے؟"

شیخ : ہاں پڑھی ہے۔

امام : خدا کا قول: "وَآتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ"[۱] اور "قرابت داروں کو ان کا حق دے دو" اور "وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی الخ"[۲] اور جان لو کہ جو کچھ تم حاصل کرو اس کا پانچواں حصہ خدا، رسولؐ اور (رسولؐ کے) قرابتداروں اور یتیموں، مسکینوں، مسافروں کے لیے مخصوص ہے۔" والی آیت بھی پڑھی ہے؟

شیخ : ہاں یہ سب پڑھا ہے۔

امام : خدا کی قسم ان آیات (مذکورہ بالا) میں قربیٰ سے مراد ہم ہی ہیں۔ کیا تو نے آیتِ تطہیر بھی پڑھی ہے؟

شیخ : ہاں پڑھی ہے۔

امام : ہم ہی وہ اہل بیتؑ ہیں جن کے بارے میں آیتِ تطہیر نازل ہوئی ہے۔

شیخ : تم کو خدا کی قسم، کیا تم لوگ وہی ہو؟

امام : اپنے جد رسولِ خداؐ کے حق کی قسم ہم وہی ہیں۔ اس میں

---

[۱] سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ - آیت ۲۶

[۲] سورۂ انفال ۸ - آیت ۴۱

کوئی شک نہیں ہے۔

یہ سن کر شیخ اپنی کہی ہوئی بات پر نادم و پشیمان ہو کر چپ کھڑا رہا۔ پھر اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا: خداوندا! میں ان حضرات کے بغض و عداوت سے توبہ کرتا ہوں اور جن و انس میں جو بھی محمدؐ و آل محمدؐ کے دشمن ہوں ان سے برائت کرتا ہوں"۔

حدیثِ کساء کے بارے میں اس قدر روایات پر اکتفا کرتا ہوں[۴۹] اور یہ مقدار اس کے لیے کافی ہے جو قرآن سے اور اس کی تفسیر سے تمسک کرنا چاہے جو رسولؐ خدا سے منقول ہے۔

"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ" [۵۰]

"اس میں شک نہیں جو شخص آگاہ دل رکھتا ہے یا کان لگا کر حضورِ قلب سے سنتا ہے اس کے لیے اس میں (کافی) نصیحت ہے۔

---

[۴۹] اس سلسلہ کی دوسری روایات مثلاً عطیہ کے حالات میں جو اسد الغابہ کی جلد ۳ صفحہ ۴۱۳ اور الاصابہ کی جلد ۳۔ صفحہ ۴۸۹ اور تاریخ بغداد کی جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۸ پر ہے اور حکیم بن سعید کی روایت جو تفسیر طبری جلد ۵ صفحہ ۲ میں ہے اور دیگر روایات جو مسند احمد جلد ۶۔ صفحہ ۳۰۴ میں ہیں اور اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲، جلد ۴ صفحہ ۲۹ میں اور مجمع الزوائد کی جلد ۹ صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷ میں اور ذخائر العقبیٰ محب الدین کے صفحہ ۲۱ پر اور استیعاب کی جلد ۲ صفحہ ۴۶۰ پر اور ابن عساکر کی جلد ۵/۱/۱۳-۱۶ پر ہے۔ ان سب کو ترک کرتا ہوں تاکہ طول نہ ہو جائے۔

[۵۰] سورہ ق ۵۰۔ آیت ۳۷

پہلی روایتوں کا خلاصہ

مذکورہ روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ رسولِ خدا جناب امِ سلمہؓ کی باری میں ان کے گھر میں تھے کہ آپ نے دیکھا رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ تو آپ نے فرمایا:

"میرے پاس بلاؤ، میرے پاس بلاؤ"

لوگوں نے کہا: کس کو؟

فرمایا:

"میرے اہل بیتؑ کو، یعنی علیؑ و فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کو۔"

جب یہ سب فرشِ رسولؐ پر نبیؐ کے ارد گرد جمع ہو گئے تو آپؐ نے اپنے اوپر اور ان سبھوں کے اوپر خیبری چادر ڈال دی جو کوٹے بالوں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کے بعد فرمایا:

"پالنے والے یہی میرے آل ہیں لہٰذا تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر اپنی رحمت نازل فرما۔"

تو خدا نے آیتِ تطہیر نازل فرمائی —— جب یہ سب یعنی خدا کے اطراف جمع تھے اسی وقت آیت نازل ہوئی۔ نزولِ آیت کے بعد رسولؐ نے فرمایا:

"پالنے والے یہی میرے اہل بیتؑ ہیں پالنے والے اہل بیت سے رجس کو دور کر دے اور ان کو پاک کرنے کی طرح پاک کر دے۔"

امِ سلمہؓ کے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا۔

امِ سلمہؓ کہتی ہیں:

"میں دروازے پر تھی اور گھر میں سات افراد تھے جبرئیلؑ، میکائیلؑ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور رسولِ خدا تو معلوم ہی ہے تھے

لہٰذا ذکر نہیں کیا مترجم) میں نے اپنا سر گھر میں ڈال کے کہا: اے رسولؐ اللہ! کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟"

جناب امّ سلمہؓ کہتی ہیں:

"خدا کی قسم رسولؐ خدا نے ہاں نہیں کہا بلکہ فرمایا: تم خیر پر ہو، تم خیر پر ہو۔ تم نبیؐ کی بیوی ہو۔"

دوسری روایت میں ہے کہ امّ سلمہؓ نے کہا:

"کیا میں اہل بیتؑ سے نہیں ہوں؟ تو فرمایا: تم خیر پر ہو اور یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ پالنے والے میرے اہل بیتؑ سب سے زیادہ حقدار ہیں۔"

اس قصہ میں رسولؐ خدا نے اہل بیتؑ کو دوسروں سے جدا کر دیا اور اپنے قول و عمل سے آیت کی شرح کر دی اور ارشاد فرمایا: میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک ہیں۔ اور عملی طور ہی سے اس طرح بھی تشریح کر دی کہ علی الاعلان روزانہ ہر نماز کے وقت علیؑ و فاطمہؑ کے دروازے پر جا کے کہا کرتے تھے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اہل البیت۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ جب نماز صبح کے لیے نکلتے تھے علیؑ کے دروازے پر آ کر دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر کہا کرتے تھے ...... الحدیث۔

بعض صحابہ نے رسولِ خدا کا حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے دروازہ پر آنے کو شمار کیا ہے تو چھ ماہ بتایا ہے۔ بعض نے سات ماہ، بعض نے آٹھ ماہ، بعض نے نو ماہ، بعض نے کم بعض نے زیادہ بتایا ہے۔ یہ سب رسولِ خدا اس لیے کرتے تھے تاکہ اپنے بعد امت سے یہ عملی اور قولی دونوں طریقوں سے بیان کر جائیں کہ وہ اہل بیتؑ کون ہیں

جن کے بارے میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے اور آیت کا مطلب کیا ہے اور یہ سب آنحضرتؐ نے خداوند عالم کے اس قول : وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ[1] " اور ہم نے تمھارے پاس قرآن نازل کیا تاکہ جو احکام لوگوں کے لیے نازل کیے گئے ہیں تم ان سے صاف صاف بیان کر دو تاکہ وہ لوگ خود سے کچھ غور و فکر کریں" کی بنا پر کیا اور یہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ رسول خداؐ کے بعد اس آیت سے ان کے اہل بیتؑ و اصحاب نے استدلال کیا ہے جیسے امام حسنؑ جو اصحاب کِسا کے ایک فرد تھے حضرت علیؑ کے انتقال کے بعد اپنے خطبہ میں آیتِ تطہیر سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

" میں ان اہل بیتؑ میں سے ہوں جن سے خدا نے رجس کو دور کر دیا ہے اور ان کو پاک کرنے کی طرح پاک کر دیا ہے ۔"

اسی طرح جب آپؑ پر خنجر سے حملہ کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا :

" ہم وہ اہل بیتؑ ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً ۔

اور جب عمرۃ ہمدانیہ نے حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد حضرت علیؑ کے بارے میں جناب ام سلمہؓ سے پوچھا تو جناب ام سلمہؓ نے آیت تطہیر کی تلاوت فرمائی تھی۔

اور جب معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے حضرت علیؑ کو سب و شتم کرنے کو کہا تو اس نے بھی آیتِ تطہیر سے استدلال کر کے کہا کہ میں ان پر سب و شتم نہیں کر سکتا ۔

ابن عباس کے پاس سے جب وہ رھط چلا گیا جس نے حضرت علیؑ کی برائی کی تھی

---

[1] سورہ نحل ۱۶ آیت ۴۴

تو انھوں نے حضرت علیؑ کے دس فضائل ذکر کیے جن میں آیت تطہیر سے بھی استدلال تھا۔

صحابیٔ رسولؐ واثلہ بن الاسقع کے پاس جب لوگ آئے اور حضرت علیؑ کو بُرا بھلا کہا تو انھوں نے ابو عمار کو اپنے پاس بٹھایا اور آیتِ تطہیر سے استشہاد پیش کیا۔

خود جناب ام سلمہؓ کو جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے اہل عراق پر لعنت فرمائی اور آیتِ تطہیر کا ذکر فرمایا۔

واثلہ نے بھی یہی کیا تھا۔

ایک شامی مرد نے جب یزید کی تعریف کی اور اہل بیتؑ کو بُرا کہا تو امام زین العابدینؑ نے بھی آیتِ تطہیر کی تلاوت فرمائی تھی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بحث کے مصادر

(۱) مستدرک الحاکم علی الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸

(۲) رواۃ حدیث ام المومنین عائشہ:

مسلم نے اپنی صحیح میں باب فضائل اہل بیت النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ پر، مستدرک الحاکم جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ پر، بیہقی نے سنن کبریٰ کے باب بیان بیت نبی اور ان لوگوں کے جو آپ کے آل ہیں، جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ پر، آیت تطہیر کی تفسیر کے ذیل میں تفسیر طبری کے حوالے جامع البیان جلد ۲۲ صفحہ ۵ پر اور تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۵ پر، جامع الاصول کی جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۱-۱۰۲ پر تیسیر الوصول کی جلد ۳ صفحہ ۲۹۷ پر، الدر المنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۸-۱۹۹ پر۔

(۳) ابوسعید نے اس کی روایت ام سلمہ سے کی ہے جیسا کہ تفسیر طبری کی جلد ۲۲ صفحہ ۶ پر آیت تطہیر کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

(۴) ام سلمہ سے اس کی روایت شہر بن حوشب نے کی ہے جیسا کہ تفسیر طبری کی جلد ۲۲

صفحہ ۲ پر ب اور ابن کثیر نے جلد ۳ صفحہ ۴۸۵ میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

۵) صحیح ترمذی جلد ۲، صفحہ ۵۰۱ آیت تطہیر کے ضمن میں۔ تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۵۔ اور تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۵، اسی طرح مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۳۵ اور جامع الاصول جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۱ اور ابن عساکر ۵/۱/۱۶ ب پر۔

۶) مستدرک الصحیحین جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ اور جلد ۳ صفحہ ۱۴۷، اور کہا ہے کہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶۷ اور مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۳۵ اور ابن عساکر ۵-۲-۱۶ ب

۷) تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۶، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۳، در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۸ سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲، مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۰۷

۸) در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ آیت تطہیر کے ضمن میں

۹) سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۰، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۳ آیت تطہیر کے ضمن میں۔ سیوطی جلد ۵ صفحہ ۱۹۸، اور حاکم نے بھی آیت تطہیر کی تفسیر میں ام سلمہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے: "میرے گھر میں (آیت) نازل ہوئی" جلد ۲ صفحہ ۴۱۶۔ تاریخ بغداد جلد ۹ صفحہ ۱۲۶۔ مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۳۴، جامع الاصول جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰۔ تفسیر ثعالبی جلد ۳ صفحہ ۲۲۸ تیسیر الوصول جلد ۳ صفحہ ۲۹۷۔ ابن عساکر ۵/۱/۱۳ ط۔ ب و ۱۴ ل

۱۰) صحیح ترمذی باب فضائل فاطمہؑ جلد ۱۳، صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ حالات حسنؑ، ریاض نضرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ پر یہ ذکر کرتے ہوئے کہ اہل بیت حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ اور حسنینؑ ہیں۔ ابن عساکر ۵/۱/۱۴ ب

۱۱) مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ اور صفحہ ۳۰۳

(۱۲) مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ آیت تطہیر کی تفسیر کے ضمن میں

(۱۳) درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۸ آیتِ تطہیر کی تفسیر کے ضمن میں، مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۲۳۳، تیسیر الوصول جلد ۳ صفحہ ۲۹۷، جامع الاصول جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۰ ابن عساکر ۵/۱/۱۵ ب

(۱۴) جامع البیان طبری جلد ۲۲ صفحہ ۷ آیتِ تطہیر کی تفسیر کے ضمن میں

(۱۵) جامع البیان طبری جلد ۲۲ صفحہ ۷ آیت تطہیر کی تفسیر کے ضمن میں

(۱۶) درمنثور میں آیۃ کی تفسیر کے ضمن میں جلد ۵ صفحہ ۱۹۹

(۱۷) درمنثور میں آیۃ کی تفسیر کے ضمن میں جلد ۵ صفحہ ۱۹۹

(۱۸) تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۵، ذخائر العقبیٰ صفحہ ۲۴، تفسیر سیوطی جلد ۵ صفحہ ۱۹۸ ابن عساکر ۵/۱/۱۶ ر اسباب النزول از نیشاپوری

(۱۹) مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۳۲

(۲۰) صحیح مسلم باب فضائل علی ابن ابی طالبؑ جلد ۷ صفحہ ۱۳۳

(۲۱) مجمع الزوائد ہیثمی جلد ۹ صفحہ ۱۶۵، ۱۶۷ باب فضائل اہل بیتؑ، ابن عساکر ۵/۱/۱۶ ر

(۲۲) تفسیر آیۃ تطہیر تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۵ اور درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۹

(۲۳) تفسیر آیۃ تطہیر تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۵

(۲۴) مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶۹

(۲۵) درمنثور میں آیۃ تطہیر کی تفسیر کے ذیل میں جلد ۵ صفحہ ۱۹۹

(۲۶) مستدرک الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ اور یہ بھی کہا: مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے لیکن دونوں (بخاری ومسلم) نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۵۲۱، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۵۸، تفسیر طبری میں آیۃ تطہیر

کی تفسیر کے ذیل میں جلد ۲۲ صفحہ ۵ ، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۳ ، درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ ، مسند طیالسی جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ میں شہرؓ سے ، صحیح ترمذی جلد ۱۲ صفحہ ۸۵ آیتِ تطہیر کی تفسیر کے ضمن میں ، کنز العمال طبع اول جلد ۷ صفحہ ۱۰۳ ، جامع الاصول جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۱ ، تیسیر الوصول جلد ۳ صفحہ ۲۹۷

(۲۷) روایات ابی الحمراء استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۹۸ میں اور استیعاب میں اس کے حالات بھی ہیں جلد ۵ صفحہ ۶۳۷ ، تفسیر طبری ، تفسیر ابن کثیر ، تفسیر سیوطی میں آیت تطہیر کی تفسیر کے ضمن میں اور اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۷۴ میں ابوالحمراء کے حالات میں ، مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۲۱ ، ۱۶۸ ، مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۳۸

(۲۸) مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶۹ ، تفسیر سیوطی جلد ۵ صفحہ ۱۹۹

(۲۹) مستدرک حاکم فضائلِ حسنؓ بن علیؑ کے باب میں جلد ۳ صفحہ ۱۷۲

(۳۰) مجمع الزوائد باب فضائل اہل بیت جلد ۹ صفحہ ۱۷۲ ، ابن کثیر کے نزدیک تفسیر آیت تطہیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۶

(۳۱) مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۳۶

(۳۲) خصائص نسائی صفحہ ۴۰

(۳۳) تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۷ ، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۵ ، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ ، مشکل الآثار جلد ۱ صفحہ ۳۳۶

(۳۴) تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۳۱

(۳۵) پوری حدیث مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۳۱ طبع اول و دوم جلد ۵ صفحہ ۳۰۶۲ میں ہے اس میں عباس نے حضرت علیؑ کے تیس فضائل بیان کیے ہیں ، خصائص نسائی صفحہ ۱۱ ، ریاض النضرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ ، مجمع الزوائد ہیثمی ، جلد ۹ صفحہ ۱۱۹

(۳۶) مشکل الآثار جلد ا صفحہ ۳۴۶، تفسیر آیت تطہیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۶، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۰۷۔ ان کے الفاظ مہذب ہیں انھوں نے "تنفذر نشتمونہ" اور "ھذا الذی تشتمونہ" کو حذف کر دیا ہے۔ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۶۷، مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ اور جلد ۳ صفحہ ۱۴۷، سنن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲، تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۹، ابن عساکر ۵ ، ۱ ، ۱۶ الف

(۳۷) اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰ حسن بن علی کے حالات میں۔

(۳۸) ہم نے مختصر طور سے نقل کیا ہے پوری حدیث مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۱ پر مسند ام سلمہ کے ذکر میں ہے، تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۶، مشکل الآثار جلد ا صفحہ ۳۳۵، ابن عساکر ۵ ، ۱ ، ۱۴ ب

(۳۹) تفسیر طبری جلد ۲۲ صفحہ ۷، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۶، درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۹۹۔

(۴۰) مقتل خوارزمی جلد ۲ صفحہ ۶۱ طبع نجف

مؤلفین ومؤلفات

سلسلہ وار

(۱) —— القرآن الکریم

(۲) —— مسند طیالسی ۔ تالیف ابی سلیمان ابن داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ، طبع حیدرآباد ۱۳۲۱ھ

(۳) —— مسند احمد ۔ مؤلف ابوعبداللہ محمد بن حنبل شیبانی المتوفی ۲۴۱ھ، طبع قاہرہ ۱۳۱۳ھ

(۴) —— صحیح مسلم ۔ مؤلف ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری المتوفی [illegible]، طبع قاہرہ ۱۳۳۴ھ

(۵) —— سنن ترمذی ۔ مؤلف محمد بن عیسیٰ [illegible] ۱۳۵۲ھ

(۶) —— خصائص امیر المومنین ۔ تالیف [illegible] عبدالرحمن [illegible] المتوفی ۳۰۳ھ، [illegible] ۱۳۴۸ھ

Managed by Masoomeen Wel re
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

(۷) —— جامع البیان فی تفسیر القرآن ۔تالیف ابوجعفر محمد بن جریر طبری (ت: ۳۱۰ھ) طبع بولاق ۱۳۲۳ - ۱۳۲۹ھ

(۸) —— تاریخ الامم والملوک ۔ یہ بھی طبری کی ہے ۔ پہلا اڈیشن مصری ہے چھاپ خانہ حسینیہ (لات)

(۹) —— مشکل الآثار ۔تالیف ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی (ت: ۳۲۱ھ) طبع حیدرآباد ۱۳۳۳ھ

(۱۰) —— المستدرک علی الصحیحین ۔تالیف ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم (ت: ۴۰۵ھ) طبع حیدرآباد ۱۳۳۴ھ

(۱۱) —— السنن الکبریٰ ۔ تالیف ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی ۔ (ت: ۴۵۸ھ) طبع حیدرآباد ۱۳۴۴ - ۱۳۵۴ھ

(۱۲) —— تاریخ بغداد ۔تالیف خطیب بغدادی احمد بن علی بن ثابت (ت: ۴۶۲ھ) طبع قاہرہ ۱۳۴۹ھ

(۱۳) —— الاستیعاب ۔تالیف ابوعمرو یوسف بن عبداللہ اشعری (ت: ۴۶۳ھ) طبع حیدرآباد ۱۳۳۶ھ

(۱۴) —— مفردات القرآن ۔تالیف ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی (ت: ۵۰۲ھ) طبع قاہرہ ۱۳۲۴ھ

(۱۵) —— مقتل خوارزمی ۔تالیف ابوالموید، موفق بن احمد، اخطب خوارزم، خوارزمی (ت: ۵۶۸ھ) طبع نجف

(۱۶) —— اسد الغابہ ۔تالیف ابن اثیر، علی ابن محمد شیبانی (ت: ۶۳۰ھ) طبع قاہرہ ۱۲۸۰ھ

(۱۷) —— الکامل فی التاریخ ۔ یہ بھی ابن اثیر کی تالیف ہے ۔طبع قاہرہ ۱۳۴۸،۱۳۵۳ھ

(۱۸) ——— الجامع لاحکام القرآن ۔ تالیف ابی عبداللہ محمد بن احمد قرطبی (ت: ۶۷۱ھ) طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ

(۱۹) ——— ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ ۔ تالیف ابوجعفر احمد بن عبداللہ محب الدین طبری شیخ الشافعیۃ (ت: ۶۹۴ھ) طبع قاہرہ ۱۳۵۶ھ، ابن عساکر ۱۵/۱/۵ ؁

(۲۰) ——— الریاض النضرۃ ۔ یہ بھی محب الدین کی تالیف ہے ۔ طبع ۲، قاہرہ ۱۳۷۲ھ

(۲۱) ——— تفسیر القرآن العظیم ۔ تالیف ابوالفداء اسماعیل بن کثیر قرشی شافعی (ت: ۷۷۴ھ) طبع قاہرہ (لات)

(۲۲) ——— مجمع الزوائد ۔ تالیف ابوالحسن بن ابوبکر ہیثمی (ت ۸۰۷ھ) طبع ۲ بیروت ۱۹۶۷م

(۲۳) ——— الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ۔ تالیف ابوالفضل احمد بن علی عسقلانی المعروف بہ ابن حجر (ت: ۸۵۲ھ) طبع قاہرہ ۱۳۵۸ھ

(۲۴) ——— تہذیب التہذیب ۔ یہ بھی ابن حجر کی تالیف ہے ۔ طبع اول قاہرہ (۱۳۲۵-۱۳۲۷ھ)

(۲۵) ——— تقریب التہذیب ۔ یہ بھی ابن حجر کی تالیف ہے طبع اول قاہرہ ۱۳۸۰ھ

(۲۶) ——— الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۔ تالیف ابوبکر عبدالرحمٰن بن محمد جلال الدین سیوطی شافعی ۔ (ت: ۹۱۱ھ) طبع قاہرہ ۱۳۱۴ھ

(۲۷) ——— کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ۔ تالیف علاؤالدین علی بن عبدالملک متقی ۔ المعروف بہ ہندی (ت: ۹۵۷ھ) طبع حیدرآباد

۱۳۶۴ھ

(۲۸) ——— المختصر فی علم رجال الاثر۔ تالیف عبدالوہاب عبداللطیف۔
طبع دوم قاہرہ ۱۳۷۱ھ

(۲۹) ——— احادیث ام المومنین عائشہ۔ تالیف سید عسکری۔ طبع تہران ۱۳۸۰ھ
اس کی طباعت ربیع الآخر ۱۳۹۵ھ میں مکمل ہوئی ہے۔

(۳۰) ——— تاریخ مدینہ دمشق۔ تالیف ابن عساکر (ت: ۵۷۱ھ) بالتصویر۔
دمشق کے کتب خانہ دمشقیہ کی خطی کتابوں میں ہے

(۳۱) ——— جامع الاصول۔ تالیف ابن اثیر (ت: ۶۰۶ھ) طبع قاہرہ ۱۳۶۸ھ

(۳۲) ——— تفسیر ثعالبی۔ تالیف ابن زید عبدالرحمٰن بن محمد ثعالبی (ت: ۸۷۵ھ)
طبع الجزائر ۱۳۲۷ھ

(۳۳) ——— تیسیر الوصول۔ تالیف ابن ربیع (ت: ۹۴۴ھ) طبع مصر ۱۳۴۶ھ

نوٹ: نمبر ۳۰ سے ۳۳ تک کی کتابوں کا ذکر چھوٹ گیا تھا لہٰذا آخر میں لکھ دیا گیا۔

ACC No. 4090 Date ....
Section C/32 Status ....
D.D. Class ....
NAJAFI BOOK LIBRARY

ACC No. 4090
Section C/32 Date
D.D. Class Status
NAJAFI BOOK LIBRARY

شیعیت سے تعارف

اور اہل سنت کے اثبات پر بے مثل تالیفات

شیعیت کا آغاز